دینی، علمی، اصلاحی، ادبی، تاریخی

زیرِ سرپرستی: مفسرِ قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین حسن صاحب مظاہری دامت برکاتہم

جلد: ۶، شمارہ: ۳
جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۲۲ء

مجلہ سہ ماہی

الکشاف

اللہ تعالیٰ کا بندوں کے ساتھ دو طرح کا تعلق ہے، ایک تعلق حاکمیت کا ہے، وہ ہمارے حاکم ہیں ہم محکوم ہیں، وہ ہمارے خالق ہیں ہم مخلوق ہیں، وہ ہمارے مالک ہیں ہم مملوک ہیں۔ دوسرا تعلق یہ ہے کہ دنیا میں تو معاملہ یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کا مالک ہے تو وہ مالک ہے، اگر کوئی کسی کا آقا ہے تو وہ آقا ہے اگر کوئی حاکم ہے تو وہ حاکم ہے، لیکن محکوم اپنے حاکم کا عاشق بھی ہو محب بھی ہو، اسکا چاہنے والا ہو اور اسکو اپنا محبوب بھی سمجھتا ہو دنیا میں ایسا نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ دوسرا ہے اسکا معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ہمارے حاکم ہی نہیں بلکہ وہ ہمارے محبوب بھی ہیں، ہم کو یہ حکم ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو، ارشاد ہوتا ہے" وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ " یہ جو ایمان والے ہیں یہ اللہ تعالیٰ سے بہت ہی محبت رکھتے ہیں، ایسے محبت کرنے والے جس کو اردو میں "عشق" کہتے ہیں، وہ ایسا عشق رکھتے ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ نے محبت و عقیدت کی شان والی عبادت بھی رکھی جسکا نام حج ہے۔ اسلام میں ایسی عبادت بھی مقرر فرمائی ہے جس میں صرف اللہ تعالیٰ کے جلال اور اسکی عظمت کا مظاہرہ ہے، نماز میں جلال الٰہی کا مظاہرہ ہے، نماز کیلئے یہ حکم ہے کہ اچھے کپڑے پہن لو اور صاف ستھرے ہاتھ منہ دھو کر نہایت خاموشی کے ساتھ، ادب سے مسجد میں کھڑے ہو جاؤ، دیکھو آواز نہ نکلنے پائے، نماز میں باادب رہو جیسے آقا کے سامنے کوئی غلام کھڑا ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا جو تصور ہے اسکا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اور حج میں یہ حکم ہے کہ ایک چادر اوڑھو اور ایک چادر پہنو، سلے ہوئے کپڑے تمہارے تن بدن پر نہیں ہونا چاہئے، اور دیکھو اگر تمہارے بدن پر میل ہو تو اس کو نہ چھڑانا اور ناخن بڑھے ہوئے ہوں تو انکو ایسے ہی رہنے دینا، اور یہی نہیں کہ آپ بہت باوقار اور سنجیدہ بن جائیے کہ آہستہ آہستہ بول رہے ہیں۔ اب آپ ذرا زور زور سے چلا چلا کر کہئے "لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ وَ لَکَ الْحَمْد " ذرا آواز سے کہئے، ایسا لگے کہ کوئی عاشق اپنے معشوق کو ڈھونڈ رہا ہے۔

مفسرِ قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین حسن صاحب مظاہری دامت برکاتہم

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری

60/-

فلاح العباد ٹرسٹ 91/21 آزاد نگر کرامت کی چوکی کریلی الہ آباد یوپی

دینی، اصلاحی، علمی، ادبی، تاریخی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجلّہ سہ ماہی

اَلْکَشَّاف

جلد نمبر ۶ — شمارہ نمبر ۳

ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم ۴۴-۱۴۴۳ھ - July to September 2022

زیر سرپرستی: مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری

معاون ایڈیٹر

مولانا عماد الدین مظاہری
مولانا حافظ سید محمد راشد

مجلس ادارت

پروفیسر شبیر احمد ندوی
سابق صدر شعبہ عربی لکھنؤ یونیورسٹی
مولانا وصی اللہ آرزو میاں
جلال آباد، ضلع مظفر نگر
مولانا سید محمد زید، الہ آباد
مولانا سید محمد اشرف، الہ آباد
ڈاکٹر محمد کامل، لکھنؤ، مقیم ترکی

مجلس مشاورت

جناب محمد ثاقب صاحب
آئی اے، ایس
جناب محمد عرفان انصاری صاحب
ایڈیشنل ایس پی
جناب ڈاکٹر شوکت علی صاحب
سابق ڈائرکٹر آف ایجوکیشن
جناب طارق سعید صاحب، الہ آباد
جناب محمد کلیم خان صاحب، مہراج گنج
جناب وسیم احمد صاحب، گونڈہ

FLAHUL IBAAD TRUST 9I/2I Azad Nager
Karamat ki chauki Kareli Allahabad,UP India 2211016

ترسیل زر کا پتہ: ***FLAHUL IBAAD TRUST PNB A/c:1001002100506383***

پرنٹر پبلشر محمد ضیاء الدین مظاہری نے جے پرنٹرس الہ آباد سے طبع کرا کے دفتر مجلّہ سہ ماہی "الکشاف" فلاح العباد ٹرسٹ آزاد نگر کریلی سے شائع کیا۔

نوٹ: رسالے سے متعلق تمام مقدمات صرف الہ آباد کی عدالت میں قابل سماعت ہوں گے۔

ناشر: فلاح العباد ٹرسٹ، 9I/2I آزاد نگر کرامت کی چوکی، کریلی، الہ آباد، یوپی

نگارشات

نمبر شمار	عناوین	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	اپنی بات	ادارہ	۳
۲	باعث تسکین نہ تھا باغ جہاں کا کوئی رنگ	اکبر الہ آبادی	۴
۳	درس قرآن	مولانا عماد الدین مظاہری	۵
۴	قرآن کی عظمت اور حاملین قرآن کی قدر	حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب دامت برکاتہم	۱۷
۵	حضرت رتن بابا، ایک ہندوستانی صحابی رسولؐ	ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری	۳۰
۶	مصائب کا آسان حل	مجلس شیخ المشائخ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب شیروانیؒ	۴۵
۷	حضرت ام عطیہ الانصاریہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا	ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری	۵۱
۸	عدل وانصاف سے کام لیں	پروفیسر محمد عبد الرحمٰن العریفی	۵۷
۹	فقہی مسائل۔ نماز کے مسائل (سجدہ سہو کا بیان۔۳)	ادارہ	۶۴

اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرتعاون کا وقت ختم ہو گیا ہے، لہٰذا رسالہ جاری رکھنے کیلئے تعاون کی رقم ارسال کر دیں

فی شمارہ تعاون: =/60 روپے
سالانہ تعاون : =/250 روپے
محصول ڈاک اسکے علاوہ =/100

خط و کتابت کا پتہ:
فلاح العباد ٹرسٹ، 91/21 آزاد نگر، کرامت کی چوکی، کریلی، الہ آباد، یوپی۔ انڈیا

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

zia3300@gmail.com

اداریہ

اپنی بات

بفضلہٖ تعالیٰ تین سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے عاشقوں کے لئے اپنے گھر بیت اللہ میں حاضری کے لئے دروازے کھولدیئے، ہر چہار جانب سے حج بیت اللہ میں جانے والوں کی خوشی اور مسرت دیدنی ہے، اور کیوں نہ ہو کہ سب سے بڑے بادشاہ، حاکموں کے حاکم نے ان کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اگر وہ دعا مانگیں تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اگر وہ استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کردے اور ان کو بخش دیں گے۔ یہ ان مہمانوں کا اکرام واعزاز ہے کہ جو کچھ بھی وہ سوال کریں گے اور جو کچھ بھی اپنے کرتوتوں کی معافی چاہیں گے وہ سب قبول کرلی جائے گی۔

بڑے خوش نصیب ہیں وہ عازمین جو ایسے نازک حالات میں کہ ایک طرف وبائی امراض کے زور نے اکثر بنی نوع انسان کی کمر توڑ دی ہے، تو دوسری طرف جہاں وہ جسمانی طور پر مضمحل اور کمزور ہو چکے ہے وہیں تیسری جانب معیشت نے اور حد سے زیادہ گرانی نے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے، لیکن ان ہی حالات میں آفریں ہے ان اسلام کے شیدائیوں کو جنھوں نے ان تمام پریشانیوں کو ایک طرف کرتے ہوئے صدائے رحمٰن پر ''لبیک اللھم لبیک'' کا نعرہ لگاتے ہوئے نکل پڑے۔ کیونکہ انہیں اپنے محبوب کے فرمان پر ''علم الیقین'' ہی نہیں بلکہ ''عین الیقین'' ہے کہ ''حج'' فقر محتاجگی کو ایسے ہی دور کر دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام عازمین کو حج مبرور عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

پوری دنیا میں عام طور پر اور ہمارے دیار میں خاص طور سے اسلام اور اسلامی شعائر اور ہر اس چیز کو جس سے اسلام کے طرزِ معاشرت کی جھلک نظر آتی ہے اور جس کو ہمارے اسلاف نے اپنے اخلاقِ کریمانہ اور طرزِ عادلانہ سے سجایا تھا اور جو پوری دنیا میں مسلمانوں کے عروج کا احساس دلایا کرتی ہے اس کو مٹانے کی ہر ممکن جو سازش چل رہی ہے اور کہیں کہیں اس پر عمل درآمد بھی ہونے لگے ہیں، اس کو سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ جب کوئی شخص ہر طرف سے تھک ہار جاتا ہے تو پھر وہ اپنے ہی گھر کے سامانوں کو توڑنا پھوڑنا شروع کر دیتا ہے اور جب تک اس کو سمجھ آتی وہ اپنا ضیاع کر چکا ہوتا ہے۔

ایسے حالات میں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوں، توبہ واستغفار کریں اور مسجدوں، خانقاہوں، مدرسوں، دینی و مذہبی، ملی و سماجی جگہوں کو آباد کریں، دین سے جڑیں، اپنے دینی رہنماؤں، مذہبی پیشواؤں کی خدمت میں جا کر صحیح دینی، علمی اور تاریخی علم حاصل کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، سلف صالحین، اور خلفاء مسلمین رحمہم اللہ تعالیٰ کی زندگیوں کو معتبر تاریخی کتابوں میں پڑھیں کہ انھوں نے سخت سے سخت حالات کا کس طرح مقابلہ کیا؟

باعث تسکین نہ تھا باغِ جہاں کا کوئی رنگ

اکبرالہ آبادی

نورِ عرفاں عقل کے پردے میں پنہاں ہوگیا
ہوش میں آنا حجابِ روئے جاناں ہوگیا

بتکدے میں شور ہے اکبر مسلماں ہوگیا
بیوفاؤں سے کوئی کہہ دے کہ ہاں ہاں ہوگیا

انتشارِ اہلِ معنی فیض سے خالی نہیں
بوئے خوش پھیلی اگر غنچہ پریشان ہوگیا

باعث تسکین نہ تھا باغِ جہاں کا کوئی رنگ
جس روش پر میں چلا آخر پریشاں ہوگیا

خواب راحت بن گیا، خوفِ خدا بعد فنا
حشر میں حسن عمل گلزار رضواں ہوگیا

ان کی صورت دیکھ کر آنے لگی یادِ خدا
نورِ رخ ان کا چراغ راہِ عرفاں ہوگیا

دونوں کو تشبیہ دی تھی عارضِ محبوب سے
آئینہ حیرت میں آیا گل پریشاں ہوگیا

تیغ کھینچی اس نے ممنون توجہ ہم ہوئے
حسن وہ افسوں ہے جس سے ظلم احساں ہوگیا

ترک دنیا سے ہوئی جمعیتِ خاطر نصیب
حال میرا گو کہ ظاہر میں پریشاں ہوگیا

طاقت فریاد بھی مجھ میں نہ باقی رہ گئی
ظلم کرنا آپ کو مجھ پر اب آساں ہوگیا

خوانِ الوانِ فلک پر کیا مسرت ہو مجھے
گور کا لقمہ ہوا جو اس کا مہماں ہوگیا

فرقت جاناں میں کیسی خوشدلی اے ہمنشیں
انبساطِ طبع نذرِ رنجِ ہجراں ہوگیا

صورت ظاہر میں دل اک قطرۂ خوں تھا فقط
آگیا جب جوش میں معنی کا طوفاں ہوگیا

جس سے کہتے ہیں وہ کہتا ہے کہ یہ سب وہم ہے
اب ہمارا حال بھی خوابِ پریشاں ہوگیا

بس یہی دولت مجھے دی تو نے اے عمرِ دراز
سینہ اک گنجینۂ داغِ عزیزاں ہوگیا

اور عالم میں ہوں میں اے فاتحہ خواں بعدِ مرگ
میں نہ تھا وہ جسم جو مٹی میں پنہاں ہوگیا

بڑھ گئی سوزش جو تجھ بن گل کھلے گلزار میں
زخمِ دل کے حق میں ہر غنچہ نمکداں ہوگیا

کر دیا اہل بصیرت فیضِ ساقی نے مجھے
ساغرِ مے آفتابِ اوجِ عرفاں ہوگیا

اک نظر کا ہے تعلق اس جہاں سے ہوش کو
سب کا سب اک جنبشِ مژگاں میں پنہاں ہوگیا

دیکھنا مشروط دیں ہوتا تو تو ہوتا بت پرست
کچھ نہ کچھ اس کی برکت سے مسلماں ہوگیا

درسِ قرآن

مستفاد از تفسیر تبیان القرآن

مولانا عماد الدین مظاہری ایم اے☆

سورۂ یٰسٓ

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یٰسٓ، وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِo اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ.عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ o تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ o لِتُنْذِرَ قَوْماً مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُ ھُمْ فَھُمْ غٰفِلُوْنَ o لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِھِمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَo اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ اَغْلٰلاً فَھِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَھُمْ مُّقْمَحُوْنَo وَ جَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ سَدّاً وَّ مِنْ خَلْفِھِمْ سَدّاً فَاَغْشَیْنٰھُمْ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ o وَ سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَ اَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَo اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ ج فَبَشِّرْہُ بِمَغْفِرَۃٍ وَّ اَجْرٍ کَرِیْمٍ o اِنَّا نَحْنُ نُحْیِی الْمَوْتٰی وَ نَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَھُمْ ط وَ کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ o وَاضْرِبْ لَھُمْ مَّثَلاً اَصْحٰبَ الْقَرْیَۃِ م اِذْ جَآءَ ھَا الْمُرْسَلُوْنَ o اِذْ اَرْسَلْنَا اِلَیْھِمُ اثْنَیْنِ فَکَذَّبُوْھُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُوْنَ o قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا لا وَ مَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَکْذِبُوْنَo قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّآ اِلَیْکُمْ لَمُرْسَلُوْنَ o وَ مَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ o قَالُوْٓا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِکُمْ ج لَئِنْ لَّمْ تَنْتَھُوْا لَنَرْجُمَنَّکُمْ وَ لَیَمَسَّنَّکُمْ مِنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ o قَالُوْا طٰٓئِرُکُمْ مَّعَکُمْ ط اَءِنْ ذُکِّرْتُمْ ط بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَo وَ جَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَۃِ رَجُلٌ یَّسْعٰی قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ o اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُکُمْ اَجْراً وَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَo وَ مَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ o ءَ اَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِھَۃً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُھُمْ شَیْئاً وَّ لَا یُنْقِذُوْنِ o اِنِّیْٓ اِذاً لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ o اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ o قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّۃَ ط قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ o بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ o وَ مَا اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِہٖ مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ مَا کُنَّا مُنْزِلِیْنَ o اِنْ کَانَتْ اِلَّا صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً فَاِذَا ھُمْ خٰمِدُوْنَ o یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ ج مَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ o اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّھُمْ اِلَیْھِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ o وَ اِنْ کُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ o وَ اٰیَۃٌ لَّھُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَۃُ ج اَحْیَیْنٰھَا وَ اَخْرَجْنَا مِنْھَا حَبّاً فَمِنْہُ یَاْکُلُوْنَo وَ جَعَلْنَا فِیْھَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَ فَجَّرْنَا فِیْھَا مِنَ الْعُیُوْنِo لِیَاْکُلُوْا مِنْ ثَمَرِہٖ لا وَ مَا عَمِلَتْہُ اَیْدِیْھِمْ ط اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ o سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّھَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ o وَ اٰیَۃٌ لَّھُمُ الَّیْلُ ج صلی نَسْلَخُ مِنْہُ النَّھَارَ فَاِذَا ھُمْ مُّظْلِمُوْنَ o وَ الشَّمْسُ تَجْرِیْ

☆ استاذ دار العلوم مرکز اسلامی الہ آباد

لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ o (سورۂ یٰسٓ: از آیت: ۱ تا ۳۹)

سورۂ یٰسٓ شریف کی فضیلت — سورۂ یٰسٓ قرآن کا دل ہے

یٰسٓ ۔ اس سورت کی پہلی ہی آیت ''یٰسٓ'' ہے اور یہی اس کا نام بھی رکھا گیا ہے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یٰسٓ قرآن کا دل ہے'' اور بعض روایتوں میں ہے کہ ''یٰسٓ اپنے مُردوں پر یعنی جو قریب مرگ ہوں ان پر، پڑھا کرو'' (مسند احمد، ابوداؤد وغیرہ۔ از روح المعانی وتفسیر قرطبی) اور حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے کہ: ''جس مرنے والے کے پاس یٰسٓ پڑھی جائے اللہ اس پر آسانی کر دیتا ہے'' (تفسیر قرطبی) اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''جو شخص سورۂ یٰسٓ کو اپنی حاجت کے آگے کر دے (یعنی کوئی حاجت اور ضرورت پوری ہونے کے لئے پڑھے) تو اس کی حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ (اخرجہ المحاملی فی امالیہ، مظہری از معارف القرآن)

یٰسٓ کے معنی

یٰسٓ ۔ (آیت:۱) مشہور قول کے مطابق یہ حروف مقطعات میں سے ہے جیسے ''الٓمٓ'' ہے جس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں ''اے انسان'' اور انسان سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ ہی ''انسان کامل'' ہیں۔

قرآن کریم حکمت سے لبریز ہے

وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ o اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ o عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ o قرآن حکیم کی قسم، یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں، سیدھے راستہ پر ہیں۔ (آیت: ۲، ۳، ۴) یعنی اس قرآن کی قسم جو حکمت سے اس طرح لبریز اور بھرا ہوا ہے کہ کسی انسان کے بس میں نہیں ہے کہ ایسی کتاب تیار کر لے اس لئے یہ قرآن خود اس کی دلیل ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور سیدھے راستہ پر ہیں چنانچہ جو آپ کی پیروی کر کے اس راستہ پر چلے گا وہ منزل مقصود تک یقیناً پہنچ جائے گا۔

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ o زبردست (اور) مہربان ہستی کا نازل کیا ہوا ہے۔ (آیت:۵) یعنی یہ

قرآن اس ذات کا نازل کیا ہوا ہے جو زبردست بھی ہے کہ انکار کرنے والوں کو سزا دینے پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے اور مہربان بھی ہے کہ ماننے والوں کو اپنی رحمتوں سے مالا مال کردے گا۔

آپ کی رسالت ساری دنیا کے لئے عام ہے

لِتُنْذِرَ قَوْماً مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآ ؤُ هُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ o تا کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادوں کو نہیں ڈرایا گیا تھا اس لئے وہ غفلت میں ہیں۔ (آیت:۶) یعنی عرب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے براہ راست کوئی نبی نہیں آیا تھا اگرچہ توحید کی دعوت اور انبیاء کی تعلیمات کا سلسلہ کسی نہ کسی درجہ میں جاری تھا مگر رفتہ رفتہ وہ بھی مٹنے کے قریب ہو گیا اور اصل تعلیم میں تحریف اور ردوبدل بھی ہو گیا تب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا اور عرب ہی کے لوگ آپ کے سب سے پہلے مخاطب ہوئے پھر بعد میں دنیا کے دوسرے حصے کے لوگوں کو بھی آپ نے دعوت دی کیونکہ آپ کی رسالت ساری دنیا کے لئے عام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے ایمان کی توفیق چھین لی ہے

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ o ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے، اس لئے یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ (آیت:۷) یہ ان لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے جنھوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے یہ طے کر رکھا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں ماننی ہے بلکہ ان کی مخالفت اور دشمنی ہی کرنی ہے جیسے ابوجہل اور ابی بن خلف وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانتے اور الٹی دشمنی کرتے ہیں اور شیطان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے ایمان کی توفیق چھین لی اور اللہ کے عذاب اور ان کے جہنمی ہونے کا فیصلہ ان کے لئے ثابت ہو گیا۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ کفر کرنے پر مجبور ہیں بلکہ انھوں نے خود اپنے اختیار سے کفر کو اپنایا ہے اور اس پر بضد ہیں۔

غرور اور تکبر کی مثال

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلاً فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ o ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں جو ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں جس سے ان کے سر اوپر کو اٹھے رہ گئے ہیں۔ (آیت:۸) یہ ان کی ضد اور ہٹ دھرمی اور غرور و تکبر کی مثال بیان فرمائی ہے کہ جیسے ان کی گردن میں طوق ڈال دیئے گئے ہوں

جس کی وجہ سے ان کا چہرہ اور آنکھیں اوپر کو اٹھ جائیں نیچے راستہ کی طرف دیکھ ہی نہ سکیں تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے کو کسی گڈھے وغیرہ میں گرنے سے نہیں بچا سکتے، اسی طرح ان کے باپ دادا کی رسمیں اور مال وسرداری کی محبت کا طوق اور ان کا کبر وگھمنڈ ان کا سر نیچے نہیں جھکنے دیتا جس کی وجہ سے یہ حق کا راستہ نہیں دیکھتے۔

کفار کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور ہٹ دھرمی کی دیوار نے گھیر رکھا ہے

وَ جَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ○ اور ہم نے ان کے سامنے ایک آڑ کر دی اور ان کے پیچھے ایک آڑ کر دی جس سے ہم نے ان کو ہر طرف سے ڈھانک دیا اس لئے وہ دیکھ نہیں سکتے۔ (آیت:۹) یہ دوسری مثال ہے کہ جیسے کسی کو چاروں طرف دیواروں سے گھیر دیا ہو تو وہ باہر کی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتا اسی طرح کفار کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور ہٹ دھرمی کی دیوار نے گھیر رکھا ہے جس کی وجہ سے ان کو حق نظر نہیں آتا حالانکہ ہر ایسے شخص کو وہ نظر آرہا ہے جو ہٹ دھرمی اور عناد کی چہار دیواری سے باہر ہے۔

وَ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ اور ان کے حق میں برابر ہے، چاہے آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (آیت:۱۰) اس لئے آپ ان کا غم نہ کیجئے لیکن پھر بھی آپ اصلاح وتبلیغ کی کوشش کئے جائیں تاکہ ان لوگوں پر حجت پوری ہو جائے اور آپ کا اجر وثواب اور درجات بڑھتے جائیں، اور پھر یہی تبلیغ ودعوت بہت سے دوسرے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے گی۔

ڈرانے کا فائدہ صرف اس کو ہوتا ہے جو نصیحت حاصل کرے

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ ج آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور رحمٰن سے بے دیکھے ڈرے۔ (آیت:۱۱) یعنی ڈرانے کا فائدہ تو صرف اسی کو ہوتا ہے جو نصیحت کو مان کر اس پر عمل کرے اور جو دل میں اللہ کا ڈر رکھتا ہو کیونکہ ڈرنے ہی سے حق کی طلب اور جستجو ہوتی ہے اور جب طلب کرے گا تو حق کو پا بھی لے گا۔ اور جس کو کسی درجہ میں بھی اللہ کا ڈر نہیں اور نہ نصیحت کی کچھ پرواہ، وہ نصیحت سے کیا فائدہ اٹھا سکے گا؟

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ اَجْرٍ كَرِیْمٍ ○ لہٰذا آپ ایسے شخص کو مغفرت اور اجر کی خوشخبری سنا دیجئے۔ (آیت:۱۱) اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو انکار وگمراہی، بے خوفی اور نافرمانی میں مبتلا ہوگا وہ اجر ومغفرت کے

بجائے عذاب اور سزا کا مستحق ہوگا۔

''اِنَّا نَحْنُ نُحْیِی الْمَوْتٰی'' بیشک ہم مردوں کو زندہ کریں گے۔(آیت:۱۲) یعنی قیامت کے دن سب کا دوبارہ زندہ ہونا یقینی ہے، اس وقت یہ سب باتیں ظاہر ہو جائیں گی اور ہر ایک اپنے اپنے اعمال کا بدلہ پا جائے گا۔

اعمال کے وہ اثرات اور نتائج جو بعد میں ظاہر ہوتے ہیں

وَ نَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَھُمْ ط اور ہم ان کے وہ اعمال بھی لکھتے جاتے ہیں جو وہ آگے بھیج چکے ہیں اور ان کے آثار بھی۔(آیت:۱۲) ''ماقدموا'' (یعنی جو وہ آگے بھیج چکے) سے وہ اعمال مراد ہیں جو انھوں نے خود اپنے ہاتھ سے کئے ہیں اور ''آثارہم'' (ان کے آثار) سے مراد اعمال کے وہ اثرات اور نتیجے ہیں جو بعد میں ظاہر ہوتے اور مرنے کے بعد بھی باقی رہتے ہیں جیسے کسی نے کوئی اچھا کام کیا، دینی تعلیم دی، دینی کتاب لکھی یا کوئی وقف کر دیا، مسجد یا دینی مدرسہ بنا دیا، یا کسی نے کوئی برا کام کیا، دین کے خلاف اور عقائد و اخلاق کو خراب کرنے والی کوئی کتاب لکھی یا کسی کو گمراہی اور برائی کے راستہ پر ڈال دیا تو جب تک اور جہاں تک ان اچھے یا برے اعمال کے آثار پہنچیں گے اور ان سے لوگوں کو فائدہ یا نقصان پہنچتا رہے گا وہ سب اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جاتے رہیں گے اور آخرت میں ان سب پر جزا و سزا ہوگی۔ اور ''آثار'' کے ایک معنی نشان قدم کے بھی ہیں جیسا کو انسان جب نماز کے لئے مسجد کی طرف چلتا ہے تو اس کے ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے۔ مدینہ طیبہ میں قبیلہ بنی سلمہ کے مکانات مسجد نبوی سے دور تھے ان لوگوں نے ارادہ کیا کہ مسجد کے قریب مکان بنالیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرما دیا اور فرمایا کہ: ''دیارکم تکتب آثارکم'' یعنی اپنی ہی جگہ رہو جتنے قدم چل کر تم آتے ہو وہ لکھے جاتے ہیں اور تمہارا ثواب بڑھتا ہے۔(ابن کثیر بحوالہ مسند احمد)

وَ کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ o اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے۔ (آیت:۱۲) یعنی تمہارے یہ اعمال اور ان کے اثرات سب پہلے ہی سے لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کو ہر ہر چیز کا علم ہے، پھر اس کی پکڑ اور سزا سے کیسے بچ سکتے ہو؟

ایک بستی والوں کا قصہ

وَاضْرِبْ لَھُمْ مَّثَلاً اَصْحٰبَ الْقَرْیَۃِ م اور آپ ان کے سامنے ایک بستی والوں کا قصہ بیان

کیجئے۔ (آیت:۱۳) قرآن مجید اور کسی صحیح حدیث میں اس بستی کا نام نہیں آیا ہے، لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک اس بستی سے مراد ملک شام کا شہر انطاکیہ ہے مگر تاریخی طور پر بھی یہ بات ثابت نہیں ہے۔

اِذْ جَآءَ هَا الْمُرْسَلُوْن o جب کہ اس بستی میں کئی رسول آئے۔ (آیت:۱۳) ان رسولوں کے نام کیا تھے؟ اور ان کا زمانہ کیا تھا؟ یقینی اور مستند ذریعے سے یہ نہیں معلوم ہے، بعض روایات میں ان حضرات کے نام صادق، صدوق، اور شلوم یا شمعون بتائے گئے ہیں لیکن یہ روایات مستند نہیں ہیں۔ اور بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حضرات نبی نہیں تھے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے جن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس بستی میں تبلیغ کے لئے بھیجا تھا۔ ان مفسرین کے نزدیک یہاں ''مرسلون'' لفظی معنی میں آیا ہے یعنی وہ شخص جس کو پیغام لے کر کہیں بھیجا جائے، مگر بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول اور نبی تھے کیونکہ ان کے بھیجنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ اور چونکہ اس قصہ سے قرآن مجید جو سبق دینا چاہتا ہے وہ بستی اور رسولوں کے نام جاننے پر موقوف نہیں ہے اس لئے ہم کو بھی اس کی کھود کرید میں نہ پڑنا چاہئے۔

اِذْ اَرْسَلْنَا اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَo جب کہ ہم نے ان کے پاس (شروع میں) دو رسول بھیجے تو ان لوگوں نے ان دونوں کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے رسول کے ذریعہ ان کی تائید کی تو ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ (آیت:۱۴) یعنی پہلے دو حضرات بھیجے گئے، پھر ان کی مدد اور نصرت کے لئے تیسرے کو بھیجا گیا اور اب تینوں حضرات نے مل کر کہا کہ ہم خود نہیں آئے ہیں بلکہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اس لئے ہماری بات سنو اور مانو۔

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَ مَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ o ان بستی والوں نے کہا کہ تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو اور رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے تم سراسر جھوٹ بول رہے ہو۔ (آیت:۱۵) یعنی تم کس چیز میں ہم سے بڑھ کر ہو جو اللہ نے تم کو رسول بنا دیا، اللہ نے کچھ نہیں نازل کیا ہے، تم لوگ سفید جھوٹ بول رہے ہو۔

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَo وَ مَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ o ان رسولوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ یقیناً ہم تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ (آیت:۱۶،۱۷) یعنی ہمارا کام تو صرف اتنا ہے کہ ہم اللہ کا پیغام اور حکم تم کو پہنچا دیں

وہ ہم کر چکے، اب آگے تمہیں اختیار ہے مانو یا نہ مانو، منوانا ہمارے ذمہ نہیں ہے، اگر تم نہ مانو گے تو اس کا انجام تمہیں ہی بھگتنا پڑے گا۔

قَالُوآ اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِکُمْ ج بستی والوں نے کہا کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔(آیت:۱۸) بعض میں روایتوں میں ہے کہ رسولوں کو جھٹلانے اور ان کی نافرمانی کی وجہ سے اس بستی میں قحط پڑ گیا تھا اور بارش رک گئی اس لئے ان کو منحوس کہا۔ یا ان حضرات کی دعوت وتبلیغ سے کچھ لوگ ایمان لائے ہوں اس وجہ سے اختلاف اور بحث ومباحثہ کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا، اس کی وجہ سے منحوس کہا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ اچھے خاصے زندگی بسر کر رہے تھے تم لوگوں نے آ کر ایک فتنہ کھڑا کر دیا۔

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْ لَنَرْجُمَنَّکُمْ وَ لَیَمَسَّنَّکُمْ مِنَّا عَذَابٌ اَلِیْم o اگر تم باز نہ آئے تو ہم پتھروں سے مار مار کر تمہارا کام تمام کر دیں گے اور ہماری طرف سے تم کو سخت تکلیف پہنچے گی۔(آیت:۱۸) یعنی تم کو طرح طرح سے ستائیں گے اور پھر بھی نہ مانو گے تو پتھر سے مار مار کر مار ڈالیں گے۔

قَالُوا طٰئِرُکُمْ مَّعَکُمْ ط ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تو خود تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔(آیت:۱۹) یعنی نحوست تو تمہارے کفر وشرک اور تمہارے اعمال بد کا نتیجہ ہے۔ اگر تم حق کو قبول کر لیتے تو نہ بارش رکتی اور نہ تمہارے درمیان جھگڑے اور فتنے ہوتے۔

اَءِ نْ ذُکِّرْتُمْ ط بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنo کیا یہ باتیں اس لئے کر رہے ہو کہ تم کو نصیحت کی گئی ہے بلکہ تم خود حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔(آیت:۱۹) یعنی تم لوگ عقل وشریعت اور آدمیت سب کی حد سے نکل گئے ہو، عقل سے سمجھتے ہو نہ شریعت کی مانتے ہو اور نہ آدمیت وانسانیت ہی پر قائم ہو۔

حبیب نجار کا واقعہ

''وَ جَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعیٰ'' اور شہر کے کسی دور جگہ سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔(آیت:۲۰) یہ شخص مسلمان تھے۔ روایتوں میں ان کا نام حبیب نجار بتایا گیا ہے، پیشہ کے لحاظ سے یہ بڑھئی تھے اور پہلے ہی ان حضرات کی دعوت پر ایمان لا چکے تھے اور شہر کے کنارے کہیں عبادت میں لگے رہتے تھے اور حلال کمائی سے اپنی روزی کا انتظام کرتے تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ قوم کے لوگ ان حضرات کو ستانے اور قتل کرنے کے درپے ہیں تو یہ دوڑ کر فوراً وہاں پہنچے اور نہایت مؤثر طریقے سے ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

قَالَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِیۡنَ ○ اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا یَسۡـَٔلُکُمۡ اَجۡرًا وَّ ہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ○ اس نے کہا کہ اے میری قوم، ان رسولوں کی پیروی کروان لوگوں کی پیروی کرو جوتم سے کوئی اجرت نہیں مانگتے اور وہ صحیح راستہ پر ہیں۔ (آیت:۲۰،۲۱) یعنی یہ حضرات اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں، جو دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں اس پر خود بھی عمل کرتے ہیں اور بالکل بے غرض ہوکر خیر خواہی کرتے ہیں، تم سے اس کی کوئی فیس بھی نہیں طلب کرتے، ہر طرح سے ان کا کردار بالکل بے داغ ہے اس لئے ایسے بے غرض، بےلوث بزرگوں کی پیروی کرو کیونکہ اسی میں بھلائی اور نجات ہے۔

''وَ مَالِیَ لَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ'' اور بھلا میں اس کی عبادت کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا۔ (آیت:۲۲) یہ اپنے اوپر ڈھال کر ان لوگوں کو سنایا تا کہ ان کو اشتعال نہ ہو اور وہ ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تو عین عقل اور فطرت کا تقاضا ہے کہ آدمی اسی کی عبادت اور بندگی کرے جس نے اس کو پیدا کیا ہے، پھر آخر تم کو ایک اللہ کی عبادت کرنے میں کیا عذر ہے؟

وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ○ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (آیت:۲۲) یعنی اس نے پیدا کر کے تم کو یوں ہی آزاد نہیں چھوڑ دیا بلکہ مرنے کے بعد تم کو اسی کے پاس حاضر ہونا ہے جس کی بندگی پر آج تم کو اعتراض ہے اس لئے عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ تم اس سے منھ نہ موڑو اور اس کے رسولوں کی بات مان لو اور ان کی پیروی کرو۔

ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـہَۃً اِنۡ یُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّیۡ شَفَاعَتُہُمۡ شَیۡئًا وَّ لَا یُنۡقِذُوۡنِ ○ اِنِّیۡۤ اِذًا لَّفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ○ کیا میں اس کو چھوڑ کر ایسے ایسے معبود مان لوں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو نہ ان معبودوں کی سفارش میرے کچھ کام آئے اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں اگر میں ایسا کروں گا تو یقیناً کھلی گمراہی میں جا پڑوں گا۔ (آیت:۲۳،۲۴) یعنی ان معبودوں کا حال تو یہ ہے کہ نہ تو یہ خود قدرت رکھتے ہیں کہ اپنے زور وقوت سے مجھ کو چھڑا لیں اور نہ اللہ کے یہاں ان کا کوئی مقام و مرتبہ ہے کہ میں کچھ بھی جرم کروں تو یہ سفارش کر کے مجھے معاف کرا دیں گے، کیونکہ اول تو پتھر لکڑی وغیرہ کے بتوں میں سفارش وغیرہ کی اہلیت ہی نہیں، دوسرے شفاعت وہی کر سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہو۔ اب اگر یہ جانتے ہوئے بھی ان کو معبود مان لوں تو اس سے بڑھ کر گمراہی کیا ہوگی؟ یہ سب باتیں اپنے اوپر ڈھال کر ان کو سنائیں تا کہ وہ مشتعل نہ ہوں اور ٹھنڈے دل سے غور کریں۔

اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ○ میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا تو تم بھی میری بات سن لو۔

(آیت:۲۵)یعنی اب میں اعلان کرتا ہوں، سب کوئی سن لو کہ میں تمہارے رب پر ایمان لایا، یعنی جس پر میں ایمان لایا ہوں وہ صرف میرا ہی رب نہیں بلکہ وہی تمہارا بھی رب ہے۔ رسولوں کو تو یہ اس لئے سنایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گواہ رہیں، اور قوم کو اس لئے سنایا کہ شاید سن کر اب ہی کچھ اثر قبول کریں اور ایک سچے مومن کی ایمانی قوت دیکھیں۔

قِيۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ ؕ (لیکن بستی والوں نے اس کی بات ماننے کے بجائے اس کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سے) کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (آیت:۲۶) روایتوں میں آتا ہے اس پتھر دل قوم نے ان کی اس ہمدردی اور خیر خواہی کے جواب میں ان کو آگ میں ڈال کر یا گلا گھونٹ کر یا لات گھونسے اور پتھر سے مار مار کر شہید کر ڈالا، شہید ہوتے ہی ان کو فوراً جنت کا پروانہ مل گیا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی وقت جنت میں داخل کر دیا، یہ قتادہؒ کا قول ہے۔ اور اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ جنت میں اصل داخلہ قیامت کے بعد ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو عالم برزخ میں بھی جنت کی کچھ نعمتیں عطا فرما دیتے ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے، اس لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت ان کو جنت کی خوشخبری بھی دی گئی اور جنت کی کچھ نعمتیں بھی عطا فرما دی گئیں۔

قَالَ يٰلَيۡتَ قَوۡمِىۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۝ بِمَا غَفَرَلِىۡ رَبِّىۡ وَ جَعَلَنِىۡ مِنَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ ۝ اس نے (جنت کی نعمتیں دیکھ کر) کہا کہ کاش میری قوم کو معلوم ہو جائے کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو باعزت لوگوں میں شامل کر دیا۔ (آیت:۲۶،۲۷) یعنی جنت کی ان نعمتوں میں پہنچنے کے بعد بھی ان کو اپنی قوم کی خیر خواہی اور ہمدردی ہی کی فکر ہوئی جس نے ان کو اس طرح ظلم کر کے شہید کر ڈالا تھا کہ کاش انہیں اللہ کی طرف سے مجھ پر اس انعام و اکرام کا حال معلوم ہو جاتا تو ایمان لا کر وہ بھی ان نعمتوں کے مستحق ہو جاتے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ''انھوں نے جیتے جی بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی اور مر کر بھی'' (تفسیر قرطبی وقال محققہ: أخرجہ مطولا مردویہ)

نافرمان قوم کا انجام

وَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ مَا كُنَّا مُنۡزِلِيۡنَ ۝ اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ ۝ اور ہم نے اس شخص کے بعد اس کی قوم پر کوئی لشکر آسمان سے نہیں اتارا اور نہ ہم کو اتارنے کی ضرورت تھی وہ تو بس ایک چنگھاڑ تھی جس سے وہ سب اسی دم بجھ کر رہ گئے۔ (آیت:۲۸،۲۹) یعنی اس ظالم و کافر اور نافرمان قوم کو ہلاک کرنے کے لئے ہم کو آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی، بس ایک سخت زوردار

چنگھاڑ کی آواز ہی سے سب کے سب ہلاک ہو گئے اور ایسے ہو گئے جیسے آگ بجھ کر راکھ کا ڈھیر بن جائے۔ روایات میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے شہر کے دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر ایک ہیبت ناک آواز نکالی جس سے کلیجے پھٹ گئے اور وہ وہیں کے وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئے۔

یٰحَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ ۚ مَا يَأۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝ اَلَمۡ يَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ اَنَّهُمۡ اِلَيۡهِمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ۝ افسوس بندوں کے حال پر ان کے پاس کوئی رسول ایسا نہیں آیا جس کا وہ مذاق نہ اڑاتے رہے ہوں کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم کتنی امتیں ہلاک کر چکے ہیں کہ وہ پھر ان کی طرف لوٹ کر نہیں آتے۔ (آیت:۳۰،۳۱) یعنی ایسی بری طرح مٹے کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا، آج ان کا کوئی نام تک لینے والا نہیں ہے۔ یہ کفار جو آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کر رہے ہیں اگر پچھلی قوموں کے اس انجام میں غور کرتے تو ایسی حرکتوں سے باز آجاتے اور ایمان لے آتے۔

آخرت کا عذاب

وَ اِنۡ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيۡعٌ لَّدَيۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ ۝ اور ان میں کوئی ایسا نہیں جو اکٹھا کر کے ہمارے سامنے حاضر نہ کیا جائے۔ (آیت:۳۲) اوپر کی آیت میں تو اس عذاب کا ذکر تھا جو ان کو دنیا میں دیا گیا، اور اب آخرت کے عذاب کا ذکر ہے کہ یہ نہ سمجھ لینا کہ دنیا میں مر کر قصہ ختم ہو گیا، ہرگز نہیں، بلکہ سب کو ایک دن پھر اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے جہاں سارے مجرم اکٹھے کئے جائیں گے، پھر سزا دی جائے گی اور وہ سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ

وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الۡاَرۡضُ الۡمَيۡتَةُ ۚ اور ایک نشانی ان لوگوں کیلئے وہ زمین ہے جو مردہ پڑی ہوئی ہے۔ (آیت:۳۳) یعنی اس بات کی نشانی کہ اللہ تعالیٰ ہی قادر مطلق ہے اور توحید برحق ہے اور شرک بالکل باطل اور بے بنیاد ہے۔

اَحۡيَيۡنٰهَا وَ اَخۡرَجۡنَا مِنۡهَا حَبًّا فَمِنۡهُ يَاۡكُلُوۡنَ ۝ ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس سے غلہ نکالا جس میں سے یہ لوگ کھاتے ہیں۔ (آیت:۳۳) اور کھا کر زندہ رہتے ہیں۔

وَ جَعَلۡنَا فِيۡهَا جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ وَّ فَجَّرۡنَا فِيۡهَا مِنَ الۡعُيُوۡنِ ۝ لِيَاۡكُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖ ۙ وَ

مَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ط اورہم نے اس میں کھجوراورانگوروں کے باغ پیدا کئے اوراس میں چشمے جاری کئے تا کہ لوگ اس کے پھلوں میں سے کھائیں اوراس کوان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا۔(آیت:۳۴،۳۵)یعنی ایک دانہ اور ایک پھل بھی یہ لوگ نہیں پیدا کر سکتے اوراگر چہ زمین میں جوتنا، بیج بونا اور سینچائی وغیرہ کرنا انسان ہی کے ہاتھوں سے ہوتا ہے مگر بیج سے درخت نکالنا اور درخت پر پتے اور شاخیں نکالنا اوراس سے پھل پیدا کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے،اس میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہے،اس کا دوسرا ترجمہ''ماعملتہ''میں''ما'' کو موصولہ مان کربعض مفسرین نے یہ بھی کیا ہے''تا کہ لوگ اس کے پھل اور وہ چیزیں کھائیں جوان کے ہاتھ بناتے ہیں۔یعنی ان غلوں اور پھلوں سے جو چیزیں لوگ خوداپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں جیسے روٹی،سالن، حلوے،اچار،چٹنی،مربے وغیرہ بہت سی چیزیں ہیں۔مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ سلیقہ عطا فرمایاہے کہ وہ ان غلوں اور پھلوں سے طرح طرح کی عمدہ عمدہ اورلذیذ ومفید چیزیں بنا کراستعمال کرے۔

اَفَلاَ يَشْكُرُوْن o کیا پھر بھی یہ شکرنہیں کرتے۔(آیت:۳۵)یعنی کیا یہ لوگ ایسے احسان فراموش ہو گئے ہیں کہ جس خدا نے ان کی زندگی گزارنے کے لئے یہ سب سامان پیدا کئے اس کا تو شکرنہیں ادا کرتے اور اسی کی دی ہوئی نعمتیں کھا کھا کر دوسروں کا شکرادا کرتے ہیں جنھوں نے مٹی کا ایک ڈھیلا بھی نہیں پیدا کیا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْن o پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے اس کے بھی جو زمین اگاتی ہے اورخودان آدمیوں میں سے بھی اوران چیزوں کے بھی جن کو یہ لوگ جانتے ہیں۔(آیت:۳۶)یعنی پیڑ پودوں میں،انسانوں میں اوردوسری تمام چیزوں میں جن کولوگ جانتے بھی نہیں اللہ تعالیٰ نے جوڑے اورقسمیں بنائی ہیں جیسے مرد و عورت،نرومادہ،کھٹاومیٹھا،سیاہ وسفید،اندھیرااوراجالاوغیرہ۔حاصل یہ کہ کوئی مخلوق ایسی نہیں جس کا جوڑا نہ ہوخواہ اس کے مقابل اورضد ہو یااس کے مثل ہو۔صرف اللہ تعالیٰ ہی کی پاک ذات ایسی ہے جس کا نہ کوئی مقابل ہے اورنہ کوئی اس کے مثل اوراس جیسا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دوسری نشانی

رات اوردن اللہ تعالیٰ کے قدرت کی کھلی نشانی ہے

وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ج صلی نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْن o اورایک نشانی ان کے لئے رات

ہے کہ ہم اس پر سے دن کو اتار لیتے ہیں تو وہ لوگ یکا یک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ (آیت:۳۷) "سلخ" کے معنی ہیں کھال اتارنا جس سے گوشت ظاہر ہو جائے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ دنیا میں اصل اندھیرا ہے اور روشنی عارضی ہے۔ جب سورج نکلتا ہے تو وہ اپنی روشنی کی چادر اس پر اوڑھا دیتا ہے جس سے روشنی ہو جاتی ہے، جب روشنی کی یہ چادر اتار لی جاتی ہے تو پھر اندھیرا رہ جاتا ہے، اسی کو لوگ رات کہتے ہیں۔

سورج کے نکلنے ڈوبنے کا خدائی نظام

وَ الشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ۝ اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ اس ذات کا اندازہ مقرر کیا ہوا ہے جو زبردست ہے بڑا علم والا ہے۔ (آیت:۳۸) سورج کی چال اور اس کا راستہ مقرر ہے اسی پر وہ چلا جاتا ہے، ایک انچ یا ایک منٹ اس سے ادھر اُدھر نہیں ہو سکتا ہے، جس کام پر لگا دیا ہے ہر وقت اس میں مشغول ہے، کسی دم قرار نہیں۔ رات دن کی گردش اور سال بھر کے چکر میں جس جس ٹھکانہ پر اسے پہنچنا ہے پہنچتا ہے، پھر وہاں سے اللہ کے حکم سے نیا دور شروع کرتا ہے۔ قرب قیامت تک اسی طرح کرتا رہے گا، یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا جب اس کو حکم ہوگا کہ جدھر سے غروب ہوا ہے اُدھر سے الٹا واپس آئے، یہی وقت ہے جب توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے گا، جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ بات یہ ہے کہ سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کا یہ سب نظام اس زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے جس کے انتظام کو کوئی توڑ پھوڑ نہیں سکتا اور نہ کوئی اس کی حکمت و دانائی پر حرف گیری کر سکتا ہے۔ (از فوائد عثمانی)

موعظۂ حسنہ

قرآن کریم کی عظمت اور حاملینِ قرآن کی قدر

حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

یہ مضمون حضرت والا کا ایک بیان ہے جو بتقریب جلسہ دستار بندی مدرسہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہرانہ چوراہا مؤ آئمہ ضلع الہ آباد میں بتاریخ ۲۷ رجب المرجب ۱۴۴۳ھ مطابق یکم مارچ ۲۰۲۲ء کو ہوا تھا، اس بیان میں حفاظ، علماء اور سامعین کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ ادارہ ضبط تحریر میں لاکر افادۂ عام کیلئے اپنے قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے۔ (ادارہ)

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ با للہ ومن شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا و من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ، اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ،بسم اللہ الرحمن الرحیم ، ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ج فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہ ج وَ مِنْھُمْ مُقْتَصِد ج وَ مِنْھُمْ سَابِقٌ بِالْخَیْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰہ ط ذٰلِکَ ھُوَ الْفَضْلُ الْکَبِیْر o صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْم وَ نَحْنُ عَلیٰ ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْن وَ الشَّاکِرِیْن o

قرآن اللہ تعالیٰ کا آخری ہدایت نامہ اور وصیت نامہ ہے

حضرات وخواتین اور پیارے بچو، اس وقت جس مناسبت سے یہ مجلس منعقد کی گئی ہے یہ بہت عظیم الشان مناسبت ہے، اس لئے عظیم الشان مناسبت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے سب سے بابرکت مہینہ، اس مہینہ میں سب سے بابرکت رات، اس رات میں سب سے بابرکت وقت اور انسانوں میں سب سے افضل اور سب سے بہتر شخصیت کو منتخب فرمایا اور اس ماہ میں اور اس رات میں اس شخصیت کے اوپر حق تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا۔

آپ اس کو اس طرح سمجھئے کہ جب کوئی شخص کوئی خط، کوئی پیغام، کوئی نصیحت کسی کو بھیجتا ہے تو ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس پیغام کو کسی نوکر سے بھیج دیا، پھر نوکر میں کوئی چپراسی ہوتا ہے کوئی کلرک ہوتا ہے کوئی آفیسر ہوتا ہے، اس میں بھی درجات ہیں۔ چپراسی کو بھیجنا ہے تو دوسری طرح کا لفافہ ہوگا، کلرک کو بھیجنا ہوگا تو کچھ اور ہوتا ہے اور افسران بالا کے ذریعہ بھیجنا ہے تو وہ کچھ دوسرے انداز کا ہوتا ہے اور پھر کاغذ کے بھی درجات ہوتے ہیں، آج کل کے رواج کے مطابق لیٹر پیڈ پر، اور لیٹر پیڈ بھی ایسے ہی کاغذ کا نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے اور اس پر مہر لگی ہوئی ہوتی ہے، یہ ساری باتیں ہوتی ہیں۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام اور آخری ہدایت نامہ ہے اور چونکہ آخری ہدایت نامہ اور آخری نصیحت نامہ اور آخری پیغام اور آخری قانون ہے اس لئے یہ بہت مضبوطی اور بہت ہی حفاظت کے ساتھ بہت ہی متبرک اوقات میں نازل کیا گیا ہے۔ ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآن '' یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، اتنی ہی بات سے رمضان کا مرتبہ بھی واضح ہو رہا ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی خصوصیات

پہلی خصوصیت: ''مطاع''

قرآن کس طرح نازل کیا گیا ہے؟ فرماتے ہیں:

''ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْن ، مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْن '' ایسے مضبوط اور طاقتور فرشتے کے ذریعہ کہ سارے فرشتے جن کی بات مانتے ہیں۔

''مطاع'' اس کو کہتے ہیں جس کی بات سب مانیں، فرشتوں کے سردار۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں کے سردار ہیں ویسے ہی حضرت جبرئیل علیہ السلام سب فرشتوں کے سردار ہیں، ان کے ذریعہ نازل فرمایا۔

دوسری خصوصیت: ''امین'' اور اس کی تعریف

اور امین ہیں چنانچہ ان کا ایک لقب ''روح الامین'' بھی ہے۔ امین اس کو کہتے ہیں کہ جس کو جو چیز جس طرح دی جائے اس کو اسی طرح پہنچا دے، اس میں اپنی طرف سے کچھ کمی بیشی نہ کرے۔ جیسے ایک آدمی دعوت نامہ لے کر آیا، آج کل کارڈ وغیرہ چل گیا ہے، گھر والوں نے اس کو بھیجا تھا کہ جاؤ فلاں جگہ دے آؤ۔ اب وہاں پہنچا تو ان لوگوں نے کہا کہ اس میں تو ودھ فیملی نہیں لکھا ہے ہم نہیں لیں گے۔ اس نے نہیں کہا:

لائیے، ہم لکھ دیتے ہیں۔اس کو لکھنے کا حق نہیں تھا،لیکن اس نے لکھ دیا۔ یہ امانت کے خلاف ہے۔اگر گھر والے ہوتے، صاحب خانہ ہوتا تو الگ بات تھی۔تو یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جو لے کر آئے ہیں وہ امین ہیں۔خود اللہ تعالیٰ ان کو ''الامین'' کہہ رہے ہیں۔

تیسری خصوصیت ''ذی قوۃ''

''ذی قوۃ'' بڑے طاقتور ہیں،آج کل آپ خبریں سنتے رہتے ہیں کہ امتحان ہو رہا تھا پرچہ لیک ہو گیا،اس لئے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ وہ اتنے طاقتور ہیں کہ ان سے لے کر کوئی پرچہ لیک نہیں کرسکتا،امین ایسے ہیں کہ کوئی ان کو لالچ نہیں دے سکتا کہ لالچ دے کر ان سے کمی بیشی کرالیں اور طاقتور ایسے ہیں کہ کوئی اگر چاہے کہ راستہ سے پرچہ لیک کرادے تو یہ بھی نہیں کرا سکتا ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کے طاقت کی ایک مثال

ایسا سخت انتظام اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا گیا کہ جبرئیل علیہ السلام اس قدر طاقتور تھے اور آج بھی ہیں، ان کی طاقت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ قوم لوط کی بستیاں ہیں،جبرئیل امین نے اکیلے ان کی بستیوں کے نیچے اپنا ایک پر ڈالا بحر میت جو سمندر کی سطح سے ۴۰۰ میٹر گہرا ہے اتنا نیچے اپنا پر ڈالا اور سب شہروں کو ایسے ہی اٹھالیا جیسے آپ چائے کی کپ اٹھا لیتے ہیں،اور اوپر لے جا کر ویسے ہی الٹ دیا،تو کتنے طاقتور ہوں گے؟ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا انتظام دیکھئے کہ جب آخری پیغمبر سرور کائنات محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ جانتے ہیں کیا ہوا؟ پہلے جنات اور شیاطین آسمان کے قریب پہنچ جاتے تھے،اللہ تعالیٰ جو حکم نازل فرماتے تھے آسمان میں فرشتوں کے درمیان اس کا ذکر اور چرچا ہوتا ہے۔

جب تک اس امت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے والے رہیں گے کوئی اس امت کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا

مثلاً الیکشن ہوا،تو کیا ہونا ہے؟ اس کا فیصلہ وہاں ہوتا ہے۔اسلئے برابر اس کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں،اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں بہت متوجہ ہوں لیکن میں کوشش کرتا ہوں کہ ذرا روؤ، کیونکہ جب تک اس امت میں رونے والے رہیں گے کوئی اس امت کا کچھ بگاڑ نہیں پائے گا۔روؤ،شہرت یہ ہے کہ تلوار سے فتح ہوئی ہے،تلوار بھی اسی وقت کام کرتی ہے جب ہمارا آنسو نکلتا ہے، جب ہمارے آنسو میں تیزی

آتی ہے تو ہمارے تلوار کے دھار میں تیزی آتی ہے۔

''شہاب ثاقب''

تو حکم خداوندی پر فرشتوں میں چرچا ہوتا ہے تو یہ شیاطین اور جنات ان کے قریب پہنچ جاتے تھے اور ان فرشتوں کی گفتگو کچھ نہ کچھ سن لیتے تھے، کوئی ایک بات سن لی، اب کوئی ضروری نہیں کہ صحیح ہی سنی ہو، اور پھر اس میں کچھ بات اپنی طرف سے ملا کر اپنے چیلوں کو بتا دیتے اس طرح کبھی ان کی بتائی ہوئی کوئی بات صحیح بھی نکل جاتی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان شیطانوں کے اوپر شہاب ثاقب مسلط کر دیا۔ یہ جو ستارے ٹوٹتے ہیں، پہلے بھی ٹوٹتے تھے اور آج بھی ٹوٹتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ستاروں کا استعمال اس میں کر دیا کہ جب یہ شیاطین بات سننے اور اچکنے کے لئے اوپر آئیں تو ان کو انہیں ستاروں سے مار کر بھگاؤ۔

قرآن کریم جس زبان میں نازل ہوا اسکی بھی حفاظت فرمائی

غرض یہ کہ جبرئیل امین جو پیغام لے کر آتے تھے وہ کہیں سے لیک نہیں ہوا، ان میں کسی بھی قسم کی خیانت نہیں ہوئی اور آئندہ بھی نہ ہوگی۔ پچھلے آسمانی کتابوں کی اصلیت باقی نہیں رہ گئی ہے اس لئے کہ وہ اپنی اصل زبان میں باقی نہیں رہ گئی ہیں اور جو لوگ زبور تو ریت انجیل کے ماننے والے تھوڑے بہت موجود ہیں وہ بات کہتے اور تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے پاس اصل کتاب نہیں ہے، لیکن یہ قرآن کریم جس زبان میں نازل ہوا تھا یہ قرآن کریم کی برکت ہے کہ چودہ سو سال کا عرصہ بیت گیا، سو سال میں تو زبانیں بدل جاتی ہیں، آپ قرآن کریم ہی کا اردو ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کا لے لیجئے اس کے بعد شیخ الہند کا لے لیجئے اس کے بعد حضرت تھانویؒ کا لے لیجئے اس کے بعد اور ترجمے لے لیجئے آپ کو زبان کا فرق معلوم ہو جائے گا۔ ''کا''، ''کہ''، ''تیرا''، ''تیری''، ''میرا''، ''میری'' وغیرہ زبان میں فرق ملے گا۔ سو سال کے عرصہ میں یہ ہو گیا۔ قرآن مجید نے خود اپنی ہی نہیں بلکہ جس زبان میں نازل ہوا اس کی بھی ایسی حفاظت فرمائی کہ وہ زبان کی سند اور معیار آج تک قائم ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس کے بدلنے کی کوشش نہیں گئی بلکہ ایسی کوشش ہوئی کہ ''قوم عربیہ'' کا نعرہ لگایا گیا لیکن قرآن مع اپنے زبان کے محفوظ تھا، محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْن'' اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر ڈالی ہی نہیں ہے، بلکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے اور اس طرح لی ہے کہ ہمیں اس کی

حفاظت کرنی ہی کرنی ہے، دنیالا کھ مادہ پرست بن جائیں لیکن انہیں مادہ پرستی میں قرآن کے حافظ بنتے رہیں گے، ارشادفرمایا:

وارث کے معنیٰ اور مطلب

''ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ج فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِه ج وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِد ج وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌ بِالۡخَيۡرَاتِ بِاِذۡنِ اللّٰه ط ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡر o'' پھر ہم نے اس کتاب کاوارث بنایا۔ اوروارث جانتے ہیں کس کو کہتے ہیں؟ وارث اس کو کہتے ہیں جواپنے مورث کے مال کا مالک بن جاتا ہے، باپ مرااورلڑکےاس کے مال کے وارث بن جاتے ہیں۔ اگر وہ لڑکے نہ چاہیں تو بھی وارث بن جاتے ہیں، وراثت کی ملکیت ایسی ہی ہے جس میں آدمی بلا اختیاراس کا مالک بن جاتا ہے، اگرکوئی وارث کہے کہ نہیں نہیں ہم اس کے مالک نہیں ہیں تو اس کے کہنے سے یہ ملکیت نہیں ختم ہوگی۔ اگراس کونہیں لینا ہےتو جس کوچاہے بھائی بہن کو ہبہ کردے، لیکن اگر وہ کہے کہ ہم مالک نہیں تواس کہنے سے یہ ملکیت ختم نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

اگر ہم نہیں چاہیں گےتو بھی ہم کوحافظ بننا ہے

''ہم نے وارث بنایا'' تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم نہیں چاہیں گے تو بھی ہم کو حافظ بننا ہے، چنانچہ میں آپ کو بتادوں کہ کتنے ماں باپ ایسے ہیں جو اپنے لڑکے کو حافظ نہیں بنانا چاہتے لیکن لڑکا حافظ بن جاتا ہے۔ آپ ذرا ذہن پرزورڈالئے گا تو آپ کے علم میں بھی آجائے گا کہ ماں باپ چاہتے تھے کہ لڑکا نہ پڑھے لکھے بلکہ دکان میں بیٹھے، چائے بنائے، پان بیچے لیکن بعد میں دیکھا کہ لڑکا حافظ بن گیا۔ یہ وہی وراثت ہے جواللہ تعالیٰ نے اس امت کوعطا فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ نے جوایسا رسول بنایا تو اس رسول کوایسی امت بھی عطا فرمائی ہے جن کے اوپرعطاوکرم وتفضّل فرماتے رہیں گے، یہ خود ہماری محرومی اور بدنصیبی ہے کہ ہم خود اپنے اختیار سے بدنصیب ہوتے ہیں۔ ورنہ ادھر سے رحمت کی بارش اسی زور سے ہورہی ہے، یہ ہم ہیں کہ اپنے کان میں انگلی ڈالے ہوئے ہیں اوراس کونہیں سننا چاہتے۔

حافظ، قاری، عالم یہ سب اللہ تعالیٰ کے منتخب کئے ہوئے ہیں

''ثم اورثنا'' کہ ہم نےتم کوکتاب کاوارث بنادیا ہےاپنے بندوں میں سےان کوجن کوہم نے منتخب کرلیا ہے، چن لیا ہے۔ تو معلوم ہوگیا کہ جواس کتاب کے خادم ہیں خواہ وہ حافظ ہونے کی شکل میں خادم

ہوں، خواہ وہ قاری ہونے کے شکل میں خادم ہوں، خواہ وہ تالی ہونے کی شکل میں خادم ہوں، (تالی یعنی تلاوت کرنے والا، کہیں آپ تالی بجانے والا سمجھ لیجئے) کی شکل میں خادم ہوں، خواہ وہ تفسیر سنانے والے کی شکل میں ہوں، ترجمہ پڑھنے پڑھانے والے، سنانے والے کی شکل میں ہوں۔ قرآن کے کسی بھی دعوتی، تدریسی خدمت وغیرہ شکل میں جو بھی خادم ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب کرلیا ہے۔

منتخب کئے ہوئے لوگوں کو اپنے عہدے کی قدر جاننا ضرور ہے

ایک مثال سنئے کہ ایک لڑکا ہے جس نے ایک سخت امتحان اور اعلیٰ درجہ کا امتحان پاس کیا، آئی اے ایس ہوگیا، امتحان لینے والوں نے اس کی محنت دیکھی، اس کی قابلیت دیکھی اور اس کو منتخب کرلیا، چن لیا، اب یہ آفیسر بن گیا، اب اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قانون کے مطابق عمل درآمد کرائے، لیکن اگر وہ ڈی ایم بننے کے بعد کرپشن کرنا شروع کردے، اپنے عہدہ کا غلط استعمال شروع کردئے تو اس کا کیا ہوگا؟ یہ سب کو معلوم ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے منتخب کرلیا حافظ کی شکل میں، عالم کی شکل میں، مدرس کی شکل میں، اور اس شکل میں منتخب کر لیا کہ آپ حافظ نہیں حافظ کے باپ ہیں، عالم کے باپ ہیں، قاری نہیں، قاری کے باپ ہیں، اب اس انتخاب کے بعد آپ کا رویہ کیا ہے؟ کیا کسی ڈی ایم کے ماں باپ کا رویہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسیوں اور یہاں وہاں سے پیسہ لے کہ ہم اپنے لڑکے سے کام کرادیں گے؟ وہ چھچھوری جگہوں پر بیٹھے گا؟ نہیں۔ تو پھر یہ دنیا کے عہدے اخروی عہدے کے مقابلہ میں کیا مقام رکھتے ہیں؟

خود برے ہیں لیکن اپنے دینی رہنماؤں کو بری جگہ دیکھنا پسند نہیں کرتے ہیں

میں کہا کرتا ہوں کہ اس زمانہ میں بھی اگر محلّہ کا کوئی سیٹھ صاحب اپنے لڑکے کو سنیما گھر میں دیکھتا ہے، پتنگ اڑاتے ہوئے دیکھتا ہے، ٹی وی کے سامنے دیکھتا ہے تو کچھ نہیں کہتا، لیکن اگر وہیں کسی حافظ صاحب کو، قاری صاحب کو دیکھتا ہے تو اعتراض کرتا ہے، شکایت کرتا ہے، میں اس کو دوسری نظر سے دیکھتا ہوں کہ ابھی اس امت میں خیر باقی ہے کہ چاہے وہ خود برے ہوجائیں لیکن وہ اپنے رہنماؤں کو، اپنے پیشواؤں کو، اپنے اماموں کو غلط کاموں میں دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ مقتدی خود غلط ہے لیکن ابھی اس کے اندر اتنا ایمانی رمق باقی ہے کہ وہ اپنے امام کو غلط نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں فتوی دے رہا ہوں کہ تم سنیما دیکھا کرو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر ابھی اتنی ایمانی رمق جو باقی ہے اس ایمان

کی قدر کرو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو یہ تھوڑی سی رمق باقی ہے یہ بھی ختم ہو جائے۔

ایک حافظ کو حافظ کی طرح رہنا چاہئے

یہ خیر کی بات ہے کہ ہمارے عوام میں اتنی ایمانی رمق ہے، اس ایمانی رمق کو بڑھانے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ اگر تم ان کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو وہ مزید عطا کریں گے، اور اگر ناشکری کرو گے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی بڑا دردناک ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حافظ بنایا ہے تو اس بات کا خیال ہونا چاہئے کہ حافظ ہیں، اور حافظ کی طرح رہنا چاہئے، یہ نہیں کہ ہم حافظ ہیں تو سب لوگ ہم کو سلام کریں۔

ایک صاحب تھے حاجی، حج کر کے آئے، میری ان سے کبھی ملاقات ہو جاتی تھی تو میں جیسے نام لے کر سلام کیا کرتا تھا جب وہ حج کر کے آئے تو ویسے ہی نام لے کر سلام کیا، وہ بیچارے ناراض ہو گئے، بولنا چھوڑ دیا، اب حاجی ہو گئے ہیں تو خود ہی سے اپنے نام کے آگے ''حاجی'' لگا لیا۔

حضرت تھانویؒ کا واقعہ

حضرت مولانا تھانویؒ ایک مرتبہ ٹرین میں سفر کر رہے تھے، مسافرین کے ساتھ کچھ بات چیت ہونے لگی، ایک صاحب تھے وہ نہیں جانتے تھے یہ کون صاحب ہیں حضرت کا معاملہ یہ تھا کہ کوئی دیکھ کر سمجھ نہیں پاتا تھا کہ یہ اتنا بڑا آدمی ہے، علم کا سمندر ہے، علم کے اتنے اونچے مرتبے پر ہے بات چیت شروع ہوئی، مولانا نے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ انھوں نے کہا: میرا نام حاجی فلاں ہے۔ انھوں نے بھی پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ حضرت نے بتایا کہ میرا نام نمازی اشرف علی ہے، وہ بہت چونکے کہ حاجی تو حاجی یہ نمازی کہاں سے نکل آئے۔ حضرت نے فرمایا اس میں چونکنے کی کیا بات ہے، آپ نے زندگی میں ایک بار حج کیا تو حاجی آپ کے نام کا حصہ بن گیا، اور میں دن بھر میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتا ہوں تو بھی نمازی نہ بن پاؤں گا؟ اس میں کیا حرج ہے؟

حافظ کو غیبت، چغلخوری، جھوٹ، بری باتوں سے دور رہنا چاہئے

حافظ ہونے کا احساس ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم حافظ ہیں تو ہم کو کس طرح رہنا چاہئے، ہماری نماز نہیں بلکہ جماعت نہیں چھوٹنی چاہئے، اب جس زبان سے ہم اللہ کا کلام پڑھتے ہیں اس زبان سے جھوٹ نہیں نکلنا چاہئے، چغلخوری نہیں نکلنی چاہئے، غیبت نہیں نکلنی چاہئے، گالی نہیں نکلنی چاہئے، کسی کی برائی نہیں نکلنی

چاہئے۔ ہماری آنکھ جو قرآن کے صفحات کو پڑھتی ہے وہ اب غلط جگہ پر نہیں پڑنی چاہئے وغیرہ وغیرہ، یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم حافظ ہو گئے تو اب ہم کو سب لوگ سلام کریں، اسی طرح سب کے بارے میں تصور کر لیجئے۔

مسلمان اپنے رہنماؤں کے کردار کو بلند مرتبہ پر دیکھنا چاہتے ہیں

بہر حال میں عرض یہ کر رہا ہوں کہ ابھی اس امت میں یہ بات موجود ہے کہ یہ اپنے رہنماؤں کے کردار کو بلند مرتبہ پر دیکھنا چاہتے ہیں، اور کسی مذہب میں یہ بات نہیں ہے، آپ جانتے ہیں لیکن میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں، آپ روزانہ اخبار پڑھتے ہیں دیکھتے ہیں کہ کتنے بڑے بڑے دینی پیشوا جو لاکھوں مریدین کے پیشوا ہیں زنا کا ثبوت، بدکاری کا ثبوت ان کے سامنے ہیں حتی کہ اگر وہ پکڑ کر جیل بھی چلے جائیں تو ان کے معتقدین کے اعتقاد میں کوئی فرق نہیں پڑتا، ان کے ماننے والے اسی طرح مانتے ہیں، یہ بگاڑ کی بات ہے۔ یہاں ایسا نہیں ہے، میں نے آپ کو بتلایا کہ مدرسہ کا مدرس نہیں بلکہ مدرسہ کا طالب علم اگر کسی غلط جگہ پر ہے تو آپ کو برا لگتا ہے۔ آپ اس کی شکایت کر رہے ہیں، یہ خیر کی بات ہے۔ اور آپ کے لئے بھی یہ نصیحت اور عبرت کا مقام ہے کہ جب ہم اس کو برا سمجھتے ہیں تو خود اس برائی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

اللہ کے دربار میں حافظ ہو کر گئے

یہ دین کا کام اللہ تعالیٰ جس سے لینا چاہیں لیتے ہیں، ہمارے ایک عزیز تھے وہ الہ آباد کے ایک کالج میں لکچرر تھے، انھوں نے رٹائرڈ ہونے کے بہت دنوں بعد حفظ کرنا شروع کیا، میں نے جب ان کو دیکھا ہے وہ اسّی برس کے اوپر رہے ہوں گے، جس دن انھوں نے حفظ مکمل کیا اس کے دوسرے دن ان کا انتقال ہو گیا، عمر تو ہو ہی گئی تھی، اللہ کے دربار میں حافظ ہو کر گئے۔

اس کی اہمیت اس طرح سمجھئے، یونیورسٹی میں ایک پروفیسر تھے ان کا مقدمہ ہائکورٹ میں چل رہا تھا، اور وہ مقدمہ یہ تھا کہ پروفیسری ہم کو ملنی چاہئے تھی نہیں ملی۔ ان کے ریٹائرمنٹ سے ایک دن پہلے ان کے حق میں فیصلہ آیا، وہ ایک دن پروفیسر رہے۔ ہوسکتا ہے ان کو کچھ مالی فائدہ اس کا مل گیا ہو لیکن جو حافظ ہو کر اسی دن مر گیا تو اس کے داد و دہش کی کوئی انتہاء ہے؟

ایک قیمتی نصیحت

آپ غور کیجئے کہ ابھی جو وقت گذرا ہے جس میں آدمی بالکل جکڑا ہوا تھا، بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے

یہ ذہانت دی ہے کہ وہ چاہتے تو ماہ دو ماہ چار ماہ میں حفظ کر لیتے ،نہیں یہ تو کر ہی سکتے تھے کہ سورۂ یٰسں ، یاد کر لیتے ،سورۂ کہف یاد کر لیتے ،سورۂ رحمٰن یاد کر لیتے ،سورۂ دخان یاد کر لیتے ،سورۂ سجدہ ،سورۂ ملک ،سورۂ واقعہ یاد کر لیتے ،اگر آپ ارب پتی نہیں بن سکتے تو لکھ پتی ہی بن جاتے ۔

لیکن اتنے بڑے ہندوستان میں ایسا بہت کم ہوا،البتہ ایک جگہ کا میرا سفر ہوا وہاں کچھ نوجوان تھے جنھوں نے بتلایا کہ اس مدت میں ہم نے اتنا قرآن یاد کرلیا،اور وہ نوجوان سب جدید تعلیم یافتہ تھے،کوئی وکیل تھا کوئی کوئی انجینئر تھا کوئی ڈاکٹر تھا،کئی کچھ تھا کوئی کچھ تھا۔آپ نے اس کی قدر ہی نہیں کی ۔

قرآن سے دین اور دنیا دونوں بنتی ہے

قرآن کی دولت آپ جانتے ہیں کیسی ہے؟ قرآن کی دولت ایسی ہے کہ اس سے دنیا بھی بنتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کہا کہ اب آپ کے انتقال کا وقت قریب آرہا ہے اپنے بیٹیوں کے لئے کچھ کر جایئے ،تو انھوں نے کیا فرمایا؟ مولوی لوگ سب جانتے ہیں ۔انھوں نے کہا کہ میں نے اپنی بیٹیوں کو سورۂ واقعہ سکھا دیا ہے ۔انھوں نے یہ نہیں کہا کہ میں نے اپنے بیٹیوں کو کہیں نوکری میں لگا دیا ہے ،انھوں نے اپنی بیٹیوں کو سورۂ واقعہ سکھا دیا ہے ۔کیوں؟ وہ لوگ تو روزی کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ ان کی روزی کا انتظام کر دیجئے ۔حضرت نے ان کو یہ روزی ہی کا سامان بتا دیا۔

حفاظ اور علماء کو اللہ تعالیٰ نے دولتِ قناعت، دولتِ توکل سے نوازا ہے

میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ قرآن ہماری آخرت کا سامان تو ہے ہی لیکن یہ ہماری دنیا کا بھی ضامن ہے،آج اس مادہ پرستی کے زمانہ میں، مادہ پرستی کے دور میں کسی حافظ کو بیکار نہیں پایئے گا،آپ کو اچھے خاصے گریجویٹ، پوسٹ گریجویٹ، پی ایچ ڈی حتی کہ بہت سے ڈاکٹر ہی بیکار مل جائیں گے کہ بچاروں کی نہیں چلتی ہے۔لیکن کوئی حافظ اگر حافظ ہے اور وہ خود بیکار نہیں رہنا چاہتا تو وہ بیکار نہیں ہے۔تنخواہیں کم ہیں، یہ صحیح ہے،لیکن ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو غنی بنایا ہے،اللہ تعالیٰ نے اگر ان کو دولت زر نہیں دی ہے تو ان کو دولت قناعت دی ہے۔ دولت کی دو قسمیں ہیں:ایک دولت زر اور ایک دولت قناعت ۔اللہ تعالیٰ نے تو ان کو دولت قناعت کے ساتھ دولت توکل بھی عطا فرمائی ہے،سات ہی آٹھ ہزار پاتا ہے لیکن آپ اس حافظ کو کبھی میلے کپڑے میں نہیں دیکھیں گے،کرتا پائیجامہ دونوں چمکتا ہوا ہوگا، پائجامہ اس لئے چمکتا ہوتا ہے کہ وہ جھاڑو لگاتے نہیں چلتا ہے،آج عام طور پر لوگ

جھاڑو لگاتے ہوئے چلتے ہیں، پائیجامہ اتنا نیچا ہے کہ ساڑا کوڑا کباڑ سمیٹتے ہوئے جارہا ہے۔

ایک جنات صحابی کا واقعہ

ایک صحابی نے ایک پہاڑی پر ایک بہت بوڑھے صاحب کو دیکھا، نہایت زرق برق، چہرہ بھی بہت نورانی، نماز پڑھ رہے تھے، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے کہا کہ آپ کو کس پر تعجب ہے؟ ہمارے اس کپڑے پر، یہ کپڑا سات سو سال پرانا ہے، سات سو سال سے ہمارے جسم پر ہے، میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہا ہوں اور میں ان جناتوں میں سے ہوں جو مقام نصیبین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

ذکر اللہ کرنے والوں کے کپڑے اور بدن سے بدبو نہیں آتی ہے

کپڑا بھی پرانا ہو کر گندا ہو جاتا ہے، کپڑا پرانے ہونے پر بھی اس میں بدبو ہو جایا کرتی ہے، عطر چھڑکتے ہیں بدبو نہیں جاتی ہے، جو لوگ حج وعمرہ کرنے جاتے ہیں ان کو اس بات کی طرف منبہ کیا جاتا ہے ان کو یہ بات سمجھ میں آجانی چاہئے، طواف کرتے وقت اتنا پسینہ نکل آتا ہے کہ کپڑا بھیگ جاتا ہے لیکن میں آپ کو بتاؤں جو لوگ عمرہ کر کے آئے ہیں وہ ذرا غور کریں، روزانہ نماز پڑھتے ہیں، اور عمرہ کرنے والوں میں، طواف کرنے والوں میں کیسے کیسے لوگ رہتے ہیں، اور کتنا کتنا عمرہ اور طواف کرتے ہیں لیکن ان کے کپڑوں میں بد بو نہیں آتی، یہ بات میں ہی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ وہاں پر بہت سے لوگوں نے مجھ کو بتایا کہ یہاں بدبو نہیں آتی ہے۔ کیوں بدبو نہیں آتی ہے؟ جب اعمال صالحہ کئے جاتے ہیں، ایک تو وہ مقام ایسا پرنور ہے، اور پھر طواف کا عمل ایسا ہے، ہر وقت صدائے لبیک ہے، ہر وقت دعائیں زبان پر ہیں، اللہ اکبر کی صدائیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا جاری ہے تو یہ بدبو کہاں سے آئے گی؟

''ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے''

یہ تو وہ جگہ ہے جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گذر جاتے تھے تو آپ کے گذرنے کے بعد بھی خوشبو آتی رہتی تھی، اس راہ سے گذرنے والے یہ سمجھ جاتے تھے کہ کہ اس راہ سے ابھی کوئی گذرا ہے ؎

بتا دیتی ہے شوخی نقش پا کی ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

یہ عالی مرتبت کلام جس کے سینے میں محفوظ ہے اس کی قدر کرنی چاہئے

یہ سب باتیں میں آپ سے اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ ذرا آپ اس حقیقت کو سوچیں کہ یہ کتنی بڑی

دولت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس دولت کی اہمیت اس کی حیثیت کو بتانے کے لئے فرمایا کہ ہم نے اپنے بندوں میں سے ان کو وارث بنایا ہے جن کو ہم نے منتخب کرلیا ہے۔ آج کسی کا لڑکا اگر نوکری پا جائے تو پورے محلّہ میں مٹھائی بٹتی ہے، اور بہت کچھ ہوتا ہے۔ قرآن کا مقام تو بہت اونچا ہے ''اِنَّہ لَقُرْآنٌ کَرِیْمٌ'' اللہ تعالیٰ نے قرآن کی کئی صفات بیان کی ہیں، کہیں قرآن کریم کہا ہے، کہیں قرآن مجید کہا ہے، کہیں قرآن حکیم کہا ہے، یہ کلام ان کا کلام ہے، بڑا اعالی مرتبت کلام ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے جس کے سینے میں اس کو محفوظ کر دیا ہے اس کو بھی اس کی قدر کرنی چاہئے۔

حافظوں، عالموں، قاریوں کو حرام، مشتبہ اور غلط مال وجگہ پر جانے سے بچنا چاہئے

میں آپ سے عرض کروں کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اچھا راگ، اچھا گلا عطا فرما دیتے ہیں تو وہ اپنے راگ کی حفاظت کے لئے بہت سی اپنی مرغوب اور محبوب چیزیں کھانا چھوڑ دیتا ہے کہ کہیں اس کا گلا خراب نہ ہو جائے۔ خدا کی قسم اے حافظو، اے قاریو، اے عالمو، اے مولویو اللہ تعالیٰ نے جو دولت تمہارے سینہ میں عطا کر دی ہے وہ بہت سی چیزوں کے کھانے سے بہت جلدی خراب ہو جائے گی، حرام کھانے سے، مشتبہ مال کھانے سے، غلط مجلسوں اور غلط صحبتوں میں حلال ہی چیز کھانے سے تمہارے گلا کو خراب کر دیں گی۔ ان چیزوں سے محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے اور جس طرح یہ گویوں کے چاہنے والے یہ چاہتے ہیں کہ ان کو کوئی ایسی چیز نہ دو جس سے ان کا گلا خراب ہو جائے اسی طرح عام مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ وہ ان چیزوں کا اہتمام کریں کہ ان کے رہنماؤں اور پیشواؤں کا گلا خراب نہ ہونے پائے۔ مثلاً اگر کوئی ہدیہ اور تحفہ دینا ہو تو حلال کمائی کا دو، حرام کمائی سے مت دو، مشتبہ کمائی سے مت دو۔

علماء، مشائخ اور دینی پیشواؤں کو حلال اور صاف رقم ہدیہ میں دینی چاہئے

الحمد للہ میں سید ہوں اور سید کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے، صرف سید ہی کو نہیں بلکہ پورے بنو ہاشم کو چاہے جتنا غریب ہو جائیں، اگر کسی نے دے دیا تو اس کی زکوۃ نہیں ادا ہوگی، اگر کوئی سید بہت غریب اور محتاج ہو گئے ہیں تو تمام مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ ان کی خدمت الگ سے کریں۔ یہ بات میں نے کیوں بتائی یہ ابھی آگے پتہ چلے گا۔ یہاں پر بہت سے ایسے علماء بیٹھے ہیں جو میرے گھر جا چکے ہیں، اور میری گھر کی حیثیت بھی جانتے ہیں، میں اپنے اسی گھر میں بیان کرتا ہوں اور میرے پاس جائدادیں بھی ہیں اللہ کے فضل سے، یہ میں آپ کو اس لئے بتا رہا ہوں کہ آپ کا اور آپ کی قوم کا نظریہ علماء اور حافظوں کے بارے میں کیا

ہے؟ میں اپنی فضیلت نہیں بتا رہا ہوں۔ ایک صاحب جو میرے اسی گھر میں درس میں آتے ہیں، جاہل نہیں ہیں، تعلیم یافتہ ہیں، اچھے عہدہ پر فائز ہیں وہ آئے اور انھوں نے میرے لڑکے کو وہ بھی ماشاءاللہ دینی اور عصری دونوں تعلیم سے آراستہ ہیں، انھوں نے ان کو پانچ ہزار روپیہ دیئے یہ واقعہ میں اسلئے نہیں سنا رہا ہوں کہ یہ کوئی انوکھا واقعہ ہے، لیکن میں مولویوں کو متنبہ کرتا رہتا ہوں انھوں نے پوچھا یہ کس مد کا ہے تا کہ آپ کو رسید دیدوں؟ اسلئے کہ میرے ماتحت مدرسے بھی چلتے ہیں انھوں نے کہا نہیں یہ مدرسہ میں نہیں دے رہا ہوں یہ مولانا کو دے رہا ہوں، میرے لڑکے نے کہا کہ حضرت کو آپ خود دے دیجئے، اتنے میں انھوں نے کہا کہ یہ زکوۃ کی رقم ہے میں حضرت کو دینا چاہتا ہوں۔ میرے لڑکے نے کہا کہ زکوۃ کی رقم تو ہم لوگ کھاتے نہیں۔ تو ان کا جواب سنئے، ان کا جواب سنانے کے لئے میں نے اتنی تمہید سنائی ہے، انھوں نے کہا کہ اچھا، تو مولانا لوگوں کا خرچہ کیسے چلتا ہے؟ آپ لوگوں کے ذہن میں یہی بیٹھا ہے کہ مولانا لوگ زکوۃ ہی کھا کر اپنا خرچہ چلاتے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں نہیں معلوم؟ امام صاحب اتنے بڑے مولانا تھے کہ کتنے ہی مولاناؤں کے وظیفے ان کے یہاں سے جاری تھے، کتنے ہی غریبوں، یتیموں کے وظائف ان کے یہاں سے ملتے تھے، انھوں نے کتنے کی شادی کرائی، اتنے بڑے تاجر تھے۔ امام ابوحنیفہ سے بڑا کوئی مولانا ہے؟ اور سنئے:

شیخ عبدالقادر جیلانی (غوث پاک) رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جن کے نام پر خوب لوگ زردہ اور بریانی کھاتے ہیں۔ یہ بہت بڑے عالم تھے، بہت بڑے اللہ والے تھے، ان کے وعظ میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی تھی کہ جب وعظ ختم ہوتا تھا تو لاشیں اٹھتی تھیں۔ ایسا وعظ فرماتے تھے۔ آج بھی ان کے جو مواعظ چھپے ہوئے ہیں، اردو میں بھی چھپے ہوئے ہیں ان کو پڑھئے تو آج بھی اثر ہوتا ہے۔ آپ کو میں بتاؤں یہ شیخ عبدالقادر کتنے بڑے تاجر تھے، اکسپورٹر تھے، اکسپورٹ امپورٹ ہوتا تھا۔ ایک دن ان کے منیجر نے آکر کہا کہ حضرت جہاز جو مال لے کر آرہا تھا وہ جہاز ڈوب گیا اور سارا مال غرق ہو گیا، آپ نے سر جھکا لیا پھر اٹھایا اور فرمایا: الحمدللہ۔ منیجر نے سوچا کہ انا للہ پڑھنے کا وقت آیا تو الحمدللہ پڑھ رہے ہیں لیکن ادب کی وجہ سے کچھ بول نہیں سکا، خیر کچھ دنوں کے بعد پھر آیا اور کہا کہ حضرت، آپ کا جو مال گیا تھا اس میں بہت نفع ہوا۔ حضرت نے پھر سر جھکایا اور اٹھایا اور فرمایا: الحمدللہ۔ اب منیجر صاحب سے نہیں رہا گیا، صبر نہیں ہوا، انھوں نے کہا

حضرت، اب یہ بتلا دیجئے کہ جب میں نے نقصان کی خبر دی تھی تو بھی آپ نے الحمدللہ کہا اور اب جب نفع کی خبر دے رہا ہوں تو بھی الحمدللہ کہا اس میں راز کیا ہے؟ فرمایا کہ نہ میں نے جہاز ڈوبنے پر الحمدللہ کہا تھا اور نہ اس نفع پر الحمدللہ کہا۔ جب تم نے جہاز ڈوبنے کی خبر دی تو میں نے اپنے دل میں جھانکا کہ دیکھیں دل میں کوئی تغیر اور تبدیلی تو نہیں ہوئی اور جب تم نے نفع کی خوشخبری سنائی تو پھر میں نے سر جھکایا کہ دیکھوں دل کی کیا کیفیت ہے؟ تو میں نے دیکھا کہ میرے دل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے، اس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور الحمدللہ کہا۔ یہ حضرات دنیا سے اسی طرح کا تعلق رکھتے تھے۔

آج آپ کا یہ تصور ہے کہ مولانا زکوۃ نہ کھائیں تو ان کا گھر کیسے چلتا ہے؟ اس لئے مولانا لوگوں کو زکوۃ ہی کی رقم دیا کرو، صدقہ خیرات ہی کی رقم دیا کرو، حتی کہ ہماری مسجدوں اور مدرسوں میں مٹھائی بھی اسی وقت بھیجی جاتی ہے جب مٹھائی سڑنے کے قریب ہو جاتی ہے۔ یہ مولاناؤں کی آپ نے قدر کی تو مولانا بھی ایسے ہی ہونے لگے۔

حفظ کرنے والے بچوں کے والدین اور ان کے بھائی بہنوں کو نصیحت

آخر میں یہ عرض ہے کہ یہ بچے جن کا حفظ ختم ہوا ہے وہ اس دولت کی قدر کریں، اور ان کے والدین کو چاہئے کہ اگر ان کی والدہ پردہ نہیں کرتی تھیں تو اب سے پردہ کریں اور نماز کا اہتمام نہ رہا ہو تو اس کا اہتمام کریں، اس سے پہلے وہ جو کچھ بھی تھیں، تھیں لیکن اب وہ ایک حافظ کی ماں ہیں۔ اور ان کے والد کے چہرے پر اگر داڑھی نہیں ہے تو اب ان کے داڑھی آنی چاہئے اس لئے کہ اب وہ ایک حافظ کے باپ بن گئے ہیں۔ نماز کا اہتمام کریں، ان کو مسجد میں نظر آنا چاہئے، جماعت کی پابندی کریں۔ جائز اور ناجائز کا، حلال اور حرام کا خیال کرنا چاہئے اسلئے کہ اب وہ ایک حافظ کے باپ بن گئے ہیں۔ اس کے جو بھائی بہن ہیں تو ان کو اس بات کا لحاظ ہونا چاہئے کہ ہم ایک حافظ کے بھائی بہن ہیں۔

آپ اپنی قدر خود پہچانئے

جب تک ہم خود ان چیزوں کی قدر نہیں کریں گے اس وقت تک بیداری کی لہر نہیں پیدا ہوگی، آپ اپنی قدر خود پہچانئے، دو ہزار کے نوٹ کی قدر ہوتی ہے اس کو بچا کر رکھتے ہیں، پانچ سو کے نوٹ کی قدر ہوتی ہے اس کو بچا کر رکھتے ہیں تو کیا اتنی بڑی دولت حاصل ہوئی ہے اس کی قدر نہیں ہوگی؟

آیئے اب دعا کر لیں کہ اے اللہ، ان بچوں کو جن کو آپ نے حفظ کی سعادت سے مالا مال کیا ہے اس کو باقی رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ (آمین) وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔ ❁

مطالعہ کی میز پر

حضرت رتن بابا رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ایک ہندوستانی صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
حالات وکوائف، صحابیت، شواہد اور علماء ومحدثین کے اشکالات

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری

صحابیت کا شرف ایک امتی کے لئے سب سے بڑا شرف ہے۔ صحابی کے عظیم المرتبت ہونے کو خود اللہ تعالیٰ نے ''رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہ'' کے عنوان سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عظیم اصحاب کو ''ستاروں'' سے تشبیہ دی ہے، فرماتے ہیں: ''اصحابی کالنجوم'' وران کے عدل وانصاف کے بارے میں متفقہ فیصلہ ہے کہ ''الصحابۃ کلھم عدول''۔

ہندوستان کو اللہ تعالیٰ نے جہاں بیشمار نعمتوں اور لعل وگوہر سے نوازا، بہت سے اولیاء اللہ، مشائخ کرام اور صوفیاء عظام نیز علماء وفضلاء یہاں کی سرزمین میں استراحت فرما ہیں وہیں پر سرزمین ہند کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر سے مس کردہ ایک صحابی نے (اگر چہ ان کی صحابیت میں بہت سے محدثین نے کلام کیا ہے، جس کو آگے صفحات میں انشاء اللہ ذکر کیا جائے گا) ہندوستان کی مٹی کو رشکِ افلاک بنایا۔

رسول اللہ صلی اللہ کے اصحاب میں عرب کے علاوہ غیر عرب اصحاب کرام بھی ہوئے ہیں جن میں حبشہ، فارس، روم، قبط، کرد، پشتون، ہند وغیرہ کے لوگ تھے جو پیدائشی عرب نہ تھے، وہ مختلف وجوہات کی بناء پر عرب میں سکونت پذیر تھے یا بغرض تجارت عرب گئے اور انھوں نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور ان پر ایمان لائے۔

اگرچہ اس حدیث کے بارے میں محدثین کی آراء مختلف ہیں، اکثر محدثین کی یہی رائے ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ مشکوۃ المصابیح میں یہ حدیث موجود ہے، حدیث نمبر: ۵۸۵۹۔ (مظاہر حق شرح مشکوۃ شریف، کتاب المناقب)

حبشہ سے حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت بلال بن رباح، نجاشی بادشاہ، رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم نے انکی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی، حضرت ام عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت لبینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

فارس سے مشہور صحابی رسول حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولیٰ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت باذان فارسی ۔ یہ صنعاء میں رہتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔ (اسد الغابہ، ص:۲۵۰۔۵۸۳)

روم سے حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ پہلے چالیس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے تھے، تقریباً تمام ہی غزوات میں شامل رہے۔

حضرت باقوم رومی، ان کو باقول رومی بھی کہتے ہیں، حضرت سعید بن العاص کے غلام تھے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جھاؤ کی لکڑی کا منبر بنایا تھا۔ (اسد الغابہ، ص:۲۵۰۔۵۸۳)

قبطی سے ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان کو مصر کے بادشاہ مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور ہدیہ پیش کیا تھا، ان سے ایک صاحبزادہ حضرت ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم تولد ہوئے جو بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے، ان کے انتقال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا رنج ہوا تھا۔

ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن حضرت سیرین بنت شمعون رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان کا نکاح شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا جن سے حضرت عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابت پیدا ہوئے۔

کرد سے ابومیمون جابان الکردی، ان کو "جابان صحابی" بھی کہا جاتا ہے۔ ابن حجر نے الاصابہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ (الاصابہ، حرف الجیم)

پشتون سے قیس عبدالرشید عرف پٹھان، بعض مورخین کی روایات کے مطابق قیس عبدالرشید جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پشتون صحابی ہیں، انھوں نے مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور اسلام قبول کیا۔ (قیس پٹھان، ایک تحقیقی مطالعہ، ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ، افغان ریسرچ سینٹر لاہور، ۲۰۰۷)

ہندوستان سے "حضرت بابا رتن" ہیں۔ اور انہیں کے حالات وکوائف اور ان پر محدثین کے

اشکالات رقم کرنا زیرِ نظر مضمون میں مقصود ہے۔

ان ہندوستانی صحابی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے بڑی لمبی عمر پائی جو تقریباً سات سو سال تک کے عرصہ پر محیط ہے۔ اسی بناء پر محدثین عظام اور مؤرخین نے ان کے دعوائے صحابیت پر اشکالات کئے اور سرے سے ہی ان کے صحابی ہونے کا انکار کر دیا۔ ان سب کا تفصیلی ذکر انشاءاللہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

تاریخ کی کتابوں میں اس روئے زمین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے آخری صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جن سے یہ روئے زمین کہکشاں تھی اور ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والا اور آپ کو دیکھنے والا بظاہر کوئی بھی اس دنیا میں باقی نہ رہا اور یہ دنیا ''**خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم**'' سے خالی ہوگئی۔

پھر اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے تقریباً چھ سو سال بعد ہندوستان کی سرزمین سے ''رتن'' نامی ایک صاحب کھڑے ہوئے اور انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف حضوری اور زیارت کا دعویٰ کر دیا، دیکھتے ہی دیکھتے یہ خبر مشرق سے مغرب تک پہنچ گئی، پھر کیا ہوا؟ احادیث مبارکہ کے بعض عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سننے کے لئے ہزار مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ہندوستان میں ان کی طرف دوڑ پڑے، ان لوگوں نے ان سے ملاقاتیں کیں اور حدیثیں سماعت فرمائیں۔ ان تمام کا ذکر اور ان سے ملاقات کی روداد انشاءاللہ آگے کے اوراق میں آرہی ہے۔

حضرت رتن بابا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب نامہ اور وطن

نسب: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تین طرح سے آپ کا نسب لکھا ہے:

۱ ''رتن بن عبداللہ ابن ساہوک بن جکندریو''

۲ ''رتن بن نصر بن کربال''

۳ ''رتن میدن بن مندی'' (الاصابہ: حرف الراء بعد ہا التاء، ۲۷۶۶، جلد۲، ص۴۳۴)

حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان میں زید بن میکائیل الخوزفوفلی کا قول نقل کیا ہے جس میں ان کا نسب اس طرح ذکر ہے: ''رتن بن مہادیو بن باسدیو'' اور لکھا ہے کہ ذہبیؒ نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے۔

(لسان المیزان، جلد۳، ص:۴۶۲۔ علامہ ابن حجرؒ، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ ۲۰۰۲ء)

مولانا مناظر احسن گیلانی نے ان تینوں میں تطبیق کرتے ہوئے اس طرح نسب ذکر کیا ہے: ''بابارتن بن ساہو بن جنکد یو بن مندی بن کر پال''۔

نسب بیان کرنے سے پہلے مولانا گیلانی لکھتے ہیں: ان کے اجداد کے نام میں بھی مؤرخین مختلف ہیں، مثلاً ان کے والد کا نام کوئی نصر، کوئی عبداللہ، کوئی ساہوک، کوئی مندن بتاتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ پہلے دو نام کسی ہندی الاصل آدمی کے نہیں ہو سکتے، پس یا تو وہ راویوں کا تصرف ہے یا خود انھوں نے بوجہ مسلمان ہونے کے اپنے باپ کا نام نصر یا عبداللہ اسلامی نام رکھ دیا ہو۔ (ایک ہندوستانی صحابی، مولانا گیلانی)

وطن: عام طور سے مؤرخین ان کو ہندوستانی لکھتے ہیں، علامہ ابن حجرؒ الاصابہ میں لکھتے ہیں ''رتن بن عبداللہ الہندی ثم البرتندی ویقال المرندی''۔ مؤرخین رقم طراز ہیں کہ: ''البرتندی'' اور ''المرندی'' یہ دونوں ''بھٹنڈہ'' کی عربی میں بدلی ہوئی شکل ہے۔

مولانا گیلانی نے تمام تر توجیہات کے بعد لکھا ہے کہ: ''صحیح قیاس یہی ہے کہ وہ بھٹنڈہ ہی کے رہنے والے تھے چونکہ دہلی اور سندھ کے راستہ میں بھٹنڈہ واقع ہے''۔

ڈاکٹر سید وحید اشرف نزہۃ الخواطر کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''بابارتن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ایک ہندوستانی صحابی ہیں، بھٹنڈہ میں پیدا ہوئے جو لاہور سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے'' (معارف، اگست ۷۳)

پیدائش اور وفات: ان کی سن ولادت کے بارے کوئی صحیح بات نہیں ملتی، البتہ مورخین نے ان سے سال وفات سے سال ولادت کا تعین کرنا چاہا ہے۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: ''**و قد قیل : انه مات سنة اثنتین و ثلاثین و ستمائة**''۔ (الاصابہ، حرف الراء، ص: ۴۳۵)

اس بارے مولانا گیلانی لکھتے ہیں: ''ان کی وفات کا سال ۶۳۲ھ بتایا جاتا ہے اس سے نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ ۶۸ھ قبل ہجرت میں پیدا ہوئے، اس میں اور بھی روایتیں ہیں لیکن میں نے اوسط کو لیا ہے''۔

حضرت بابارتن کو دیکھنے والے حضرات

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً بارہ لوگوں کے نام ذکر کئے ہیں جنھوں نے ان کو دیکھا، ان سے ملاقات کی اور حدیث روایت کی ہیں، ابن حجر رقمطراز ہیں:

''**فروی عنه ولداه : محمود و عبد الله ، و موسی بن مجلی بن بندار الدنیسیری، و**

الحسن بن محمد الحسيني الخراساني ، و الكمال الشيرازى ، و اسماعيل البارقى ، و ابو الفضل عثمان بن ابى بكر بن سعيد الاربلى ، و داود بن اسعد بن حامد القفال المنحرورى ، و الشريف علی بن محمد الخراساني الهروى ، والمعمر ابو بكر المقدسى ، و الهمام السهر كندى ، و ابو مروان عبد الملک بن بشر المغربی'' (الاصابہ:حرف الراء بعدہا التاء،۲۷۶۶،جلد۲،ص۴۳۴)

ڈاکٹر سید وحید اشرف نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ:''رتن کو دیکھنے والوں میں ایک نام اور ملتا ہے جس کی تصدیق شیخ علاء الدولہ سمنانی (م۷۳۶ھ) نے کی ہے اور شیخ علاء الدولہ سمنانی کی روایت کو ان کی کسی کتاب سے مولانا جامی نے نفحات الانس میں نقل کیا ہے، یہ ملنے والے شیخ رضی الدین علی لالاء (م۶۴۲ھ) جو شیخ نجم الدین کبری (م۶۱۸ھ) کے خلفاء میں ہیں۔ (معارف،اگست۷۳)

اسی میں ہے کہ: نزہۃ الخواطر میں رتن کی تصدیق کرنے والوں میں خواجہ محمد پارسا (م۸۲۲ھ) کا بھی نام آیا ہے۔(نزہۃ الخواطر جلد۱، بحوالہ معارف،اگست۷۳)

ابن حجرؒ نے ان حضرات میں سے کچھ کا جن میں ابومروان اندلسی، علی بن محمد خراسانی اور حسین بن محمد مکی وغیرہ سے زیارت وملاقات کی تفصیل نقل کی ہے، انہی بیانات سے ان کے مسلمان ہونے کی وجہ بھی معلوم ہو جائے گی۔ میں یہاں پر ان سب کی تفصیل مولانا گیلانی کی کتاب سے تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ نقل کر رہا ہوں اور الاصابہ کے عربی متن کو بخوف طوالت ترک کر رہا ہوں البتہ جہاں ضرورت محسوس کروں گا عربی متن بھی درج کروں گا:

ابومروان اندلسی کا بیان

اصابہ میں یہ بیان اقشہری کی سند سے درج ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص جس کا نام محمد بن زکریا الحسینی ہے وہ کہتا ہے کہ جب بابا رتن کا قصہ عام طور سے ملک میں مشہور ہوا اور مجھے خبر ملی کہ ابومروان جو آج کل وادی آش میں ہے اس نے بابا رتن سے ملاقات کی ہے، میں اسی وقت آش پہنچا، یہ ۶۶۱ھ رجب کا زمانہ ہے اور ابومروان سے مل کر میں نے واقعہ پوچھا، اس نے ہم سے جو کچھ کہا وہ یہ تھا:

میں ۶۱۷ھ میں اندلس سے نکلا اور مکہ آیا اور وہاں تقریباً سات برس رہا، اس کے بعد مختلف شہروں میں گھومتا رہا حتی کہ بصرہ پہنچا، وہاں اس سن رسیدہ شخص کی خبر مشہور ہو رہی تھی، لوگوں نے ہم سے کہا کہ وہ فلاں ملک میں موجود ہے، میں وہاں سے شہر کیس آیا، وہاں بھی اسی کا چرچا تھا، وہاں سے اور بھی چند شہروں میں آیا، روز بروز واقعہ کی تصدیق

بڑھ رہی تھی، آخر میں نے اس شخص سے ملنے کا ارادہ کیا، لیکن لوگوں نے مجھ سے کہا کہ راستہ خطرناک ہے اور بیچ میں ایک بہت بڑا صحرا حائل ہے جسکی مسافت ۴۵ دن کی ہے، لیکن مجھے شوق نے اس قدر گھیرا کہ میرا کھانا پینا موقوف ہو گیا۔

آخر خدا کا نام لے کر میں چلنے پر آمادہ ہو گیا، راستے میں ہم سے بعضوں نے کہا کہ ایک اور راستہ قریب کا ہے، لیکن تاتاری لٹیروں کا وہاں خطرہ ہے، میں نے جب یہ سنا تو بہت مسرت ہوئی اور منزل آسان ہو گئی میں اسی قریب کے راستہ سے چلا، تاتاری غارت گروں کی جماعت ملتی تھی لیکن ایک غریب مسکین فقیر کی طرح چپ چاپ میں ان لوگوں کے سامنے گذرتا تھا، کوئی مجھ سے بات بھی پوچھتا تھا تو اپنے کو گونگا اور بہرا بنا لیتا۔ بھوکا پیاسا تاتاریوں کی جماعت میں سے اسی طرح چھ دن چلتا رہا اس کے بعد مجھے دو دن اور بھی چلنا پڑا حتی کہ خدا خدا کر کے منزل مقصود تک پہنچ گیا، وہاں کے لوگوں کو میرے اس طرح آنے پر بہت تعجب ہوا اور ایک بوڑھے آدمی نے میری دعوت کی اور اس گھر میں لے گیا جہاں وہ بڈھا سن رسیدہ رہتا تھا، مس نے دیکھا، وہ روئی کے گالوں میں لپٹا ہوا ایک گہوارے میں پڑا ہوا ہے۔ میرے میزبان نے اسے پکارا اور کہا: اے سردار، یہ بیچارا ایک دور دراز ملک مغرب اقصی سے ہم لوگوں کے پاس آیا ہے اور آپ کی زیارت کے علاوہ اس کی اور کوئی تمنا نہیں، وہ چاہتا ہے کہ آپ سے کچھ باتیں سنے۔

سن رسیدہ بڈھا اس کو سن کر میر طرف مخاطب ہوا اور کچھ بولنے لگا، میں تو اسے سمجھ نہیں سکتا تھا لیکن میرے میزبان نے ترجمہ کر کے مجھے سنایا۔ وہ کہتا ہے کہ:

''میں چودہ برس کا تھا جب کہ مسلمانوں کے ساتھ یوم خندق میں خندق کھودنے میں مصروف تھا، میں ان کو (شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں) جب دیکھتا تھا تو کام مجھ پر بہت آسان ہو جاتا تھا، انھوں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے) مجھے جب یہ دیکھا تو فرمایا: خدا تیری عمر میں برکت دے، خدا تیری عمر میں برکت دے، خدا تیری عمر میں برکت دے''

اس قدر کہنے کے بعد شیخ چپ ہو گیا اور اخیر میں بولا:

''جس ارادت نے تجھے مجھ تک پہنچایا تیری نجات کے لئے کافی ہے''

ابومروان کا بیان اتنا ہی ہے اس میں وہ اس شخص کا نام رتن نہیں بتایا اور نہ یہ بتایا کہ اس نے ان کو کس ملک میں پایا لیکن اتنا ضرور بتایا کہ وہ ان کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا۔

علی بن محمد خراسانی کا بیان

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بیان کو عمر بن محمد ہاشمی کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے اور مسلسل سند کے ساتھ الاصابہ میں اس کو نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

عمر بن علی الساعی الفقیہ راوی ہیں کہ مجھ سے ماہ ذی قعدہ ۶۱۷ھ میں علی بن محمد خراسانی نے جو ہرات کا باشندہ تھا، قصبہ محلاف ضلع پشاور میں بیان کیا کہ میں جمادی الثانیہ ۶۰۱ھ میں ہندوستان پہنچا، مجھ سے وہاں لوگوں نے ایک سن رسیدہ شخص کی خبر سنائی کہ اسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی ہے اور وہ دہلی کے قریب کسی گاؤں میں رہتا ہے، میں نے جب یہ سنا تو میں اور ایک مغربی آدمی ساتھ مل کر اس کی زیارت کو چلے، جب اس کے قریب پہنچا تو میں سلام کیا، اس نے مجھ سے پوچھا کہ ''تم کون ہو؟'' میں نے کہا: ''میں شریف حسین بن علی کی اولاد میں سے ہوں، میرا وطن خراسان ہے، اور یہ دوسرا آدمی مغرب کا باشندہ ہے''۔

بوڑھے نے یہ سن کر کہا:

''عجیب عجیب، میں نے تمہارے دادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھے پر اٹھایا ہے''

میں نے پوچھا، آپ کی عمر کیا ہے؟

اس نے کہا: ''سات سو سال کی''

پھر میں نے پوچھا: ''تو کیا آپ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پہلے کے آدمی ہیں؟''

انھوں نے کہا: ''ہاں، میں عیسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں اٹھایا ہے جب کہ وہ بچہ تھے۔'' میں نے کہا: ''یہ کیسے؟''

وہ بولے کہ ''میں نے سنا (شاید کسی راہب وغیرہ سے سنا تھا، جو بطور پیش گوئی کے انھوں نے خبر دی ہو گی) کہ خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم حجاز میں پیدا ہو چکے ہیں، یہ سن کر میں جہاز پر سوار ہوا اور حجاز کا قصد کیا، لیکن عجیب اتفاق کہ جہاز ٹوٹ گیا حتی کہ میں نے تین دفعہ قصد کیا اور ہمیشہ یہی واقعہ ہوتا رہا آخر چوتھی بار کسی طرح جہاز جدہ تک پہنچ گیا میں وہاں سے اتر کر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا، ابھی راستہ میں تھا کہ نہایت زور سے بارش شروع ہوئی، حتی ک کہ نالے بہہ پڑے، اسی عرصہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوعمر لڑکا اونٹوں کے ساتھ جنگل میں کھڑا ہوا ہے، اونٹ نالوں میں گھس کر آگے نکل گئے ہیں مگر بچہ پانی کے خوف سے اسی طرف رکا ہوا ہے، میں

نے اسے گود میں اٹھالیا اور نالہ میں گھس کر پار کر دیا، اس بچہ نے مجھ سے کہا کہ خدا تیری میں برکت دے، اس کو تین دفعہ کہا۔

اس کے بعد میں مکہ پہنچا اور اس نبی کو میں نے تلاش کیا لیکن مجھے کامیابی نہیں ہوئی، کیونکہ وہاں اس وقت تک اس کا کوئی چرچا نہ تھا، آخر میں مایوس ہو کر اپنے شہر واپس آیا اور تقریباً تیس یا کتالیس برس میں گھر ہی رہا۔ حتی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے ہیں، میں یہ سنتے ہی پھر جہاز پر سوار ہوا کر مدینہ منورہ پہنچا اور مسجد میں داخل ہوا وہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک محراب میں بیٹھا ہوا پایا، میں نے بڑھ کر سلام کیا اور بیٹھ گیا، آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم کہاں کے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہندوستان کا باشندہ ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تم وہی شخص ہو جس نے مجھے مکہ اور جدہ کے درمیان میری طفولیت کے زمانہ میں میں جب کہ میرے ساتھ کچھ اونٹ تھے گود میں اٹھایا تھا؟ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تمہاری عمر میں برکت دے۔

میں اسی وقت مسلمان ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بارہ دن مقیم رہا، کھانا بھی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھایا، آخر اپنے شہر کو واپس لوٹا اور اسی زمانے سے اس پیپل کے پیڑ کے نیچے رہنے لگا''۔

یہ داستان سنانے کے بعد بوڑھے نے کھانا منگوایا اور ہم لوگوں کے ساتھ اس نے تین لقمے کھائے اور کہنے لگا:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**الموافقة من المروة والمنافقة من الزندقة**'' (میل وجول مروت کی بات سے ہے اور منافقت بددینی سے ہے)

علی خراسانی کہتے ہیں کہ اس بوڑھے کے دانت اور داڑھی کے بال بالکل کانٹے معلوم ہوتے تھے اور اکثر بال سفید تھے، اس کی بھویں گالوں تک لٹک آئی تھیں جس کو وہ چونٹوں سے اٹھاتا تھا، انہیں کا بیان ہے کہ وہ لاولد تھا، حتی کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے عمر بھر شادی نہیں کی، اور احتلام بھی اس کو تمام عمر میں بحالت کفر ایک ہی دفع ہوا، جب وہ بیٹھتا تھا تو تین ہاتھ زمین گھیر لیتا تھا، شریف علی نے اس کے بعد کہا کہ: میں اس کے پاس صبح سے عصر تک ٹھیرا رہا اور رخصت ہو گیا۔

حسین بن محمد کا بیان

ابن خلکان اور حافظ دونوں نے اس بیان کو نقل کیا ہے، اصابہ میں ہے کہ:

حسین بن محمد کا بیان ہے کہ میں بچپن کے زمانہ میں یا زیادہ سے زیادہ میری عمر سترہ سال کی ہوگی کہ اپنے والد اور چچا کے ساتھ خراسان سے ہندوستان کی طرف تجارت کی غرض سے چلا حتی کہ جب ہندوستان کی سرحد میں ہم لوگ داخل ہوئے تو سامنے بہت سی بستیوں میں سے ایک بستی میں پہنچے، قافلے والے اسی طرف مڑ گئے اور وہاں پہنچ کر سب نے سامان کھول دیا، یکا یک قافلہ میں ایک شور برپا ہوا، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا واقعہ ہے؟ یہ شور کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ شیخ رتن کی بستی ہے جو ایک بڑا سن رسیدہ آدمی ہے، لوگوں میں اسی کا چرچا ہے، ہم اس بستی سے ذرا باہر ہوئے تو اس کے میدانوں میں ایک عظیم الشان گھنا درخت نظر آیا جس کے نیچے ایک بہت بڑی مخلوق آباد تھی اور جوق در جوق لوگ اس کے اندر جمع تھے، ہم لوگ درخت کی طرف بڑھے، درخت والوں نے جو ہم لوگوں کو دیکھا تو بڑی گرم جوشی سے ملے، میں نے دیکھا کہ درخت کے ساتھ ایک بڑی زنبیل لٹک رہی ہے، میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا اسی زنبیل میں شیخ رتن رہتے ہیں، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔

حسین بن محمد کہتے ہیں کہ جب ہم لوگوں نے یہ سنا کہ اس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں تو عام طور پر لوگوں میں بے چینی پھیل گئی، اور نہایت اضطراب کے ساتھ ان لوگوں سے جو اس درخت کے نیچے پھیلے ہوئے تھے، زنبیل اتارنے کی درخواست کی گئی۔ تاکہ ہم لوگ اس سن رسیدہ بزرگ صحابی کی زبانی کچھ حدیثیں سنیں اور ان سے باتیں کریں۔

ہماری اس درخواست پر ایک بوڑھا آگے بڑھا، زنبیل کی ڈوری کا تعلق ایک گھرنی سے تھا، بوڑھے نے رسی کھول دی، زنبیل آہستہ آہستہ نیچ آ گئی، ہم لوگ اس پر جھک پڑے، کیا دیکھتے ہیں کہ وہ روئی سے بھری ہوئی ہے اور سن رسیدہ شیخ اس کے اندر لیٹا ہوا ہے۔

بوڑھے نے شیخ کے چہرے سے روئی ہٹالی، اور اپنے منھ کو اس کے کان پر رکھ بلند آواز سے کہنے لگا:

''او دادا، یہ ایک قوم ہے جو خراسان سے آئی ہے، ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے کچھ شرفاء بھی ہیں، ان کی خواہش ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا واقعہ ان سے بیان کریں اور آپ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا باتیں فرمائیں''۔

یہ سن کر شیخ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور نہایت آہستہ آہستہ اور باریک آواز میں جو گویا بالکل شہد کی

مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے مشابہ تھی، فارسی زبان میں انھوں نے گفتگو شروع کی جسے ہم لوگ سنتے ہی سمجھ لیتے تھے شیخ نے کہنا شروع کیا:

میری جوانی کا زمانہ تھا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ اس ملک سے نکلا، اور تجارت کی غرض سے ملک حجاز میں داخل ہوا، جب ہم مکہ کے ایک وادی میں داخل ہوئے تو اس وقت زور سے بارش شروع ہوئی حتی کہ تمام نالے پرنالے بہ پڑے، اسی عرصہ میں میں نے دیکھا کہ سامنے ایک گندمی نمکین چہرہ، خوبصورت شکل و شمائل کا ایک نوعمر لڑکا اونٹوں کو چرا رہا ہے، لیکن اس کے اور انٹوں کے درمیان میں ایک گہرا نالہ حائل ہو گیا ہے، چونکہ اس میں پانی زیادہ چل رہا تھا اس لئے وہ لڑکا گھسنے سے جھجکتا تھا، میں اس انتشار کو تاڑ گیا، دوڑ کر قریب گیا اور گود میں اٹھا کر نالہ سے پار کر دیا، جب میں نے اس کو اونٹوں کے پاس جا کر چھوڑا تو میری طرف دیکھ کر اس بچے نے عربی زبان میں کہا: ''**بارک اللہ فی عمرک، بارک اللہ فی عمرک، بارک اللہ فی عمرک**'' خیر یہ قصہ تو یہیں ختم ہو گیا، میں اس سے الگ ہو کر مکہ پہنچا خرید و فروخت کی گرم بازاری شروع ہوئی، غرض جس مقصد سے وہاں گئے ہوئے تھے جب وہ پورا ہو گیا ہم پھر ہندوستان کی طرف لوٹ آئے۔

اس پر بھی ایک مدت گذر گئی، کہ اتفاقاً اسی مقام پر جہاں اس وقت تم ہو، چاندنی رات میں بیٹھا ہوا تھا، چاند بھی چودھویں رات کا تھا، اور ٹھیک وسط آسمان پر آ کر چمک رہا تھا کہ اچانک میں نے دیکھا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک حصہ اس کا مشرق میں اور دوسرا مغرب میں جا کر ڈوب گیا اور تقریباً کچھ دیر تک ڈوبا رہا، رات بالکل اندھیری ہو گئی، پھر تھوڑی دیر کے بعد پہلا حصہ مشرق سے اور دوسرا مغرب سے نکلا، اور بڑھتے بڑھتے دونوں آپس میں اسی طرح آ کر مل گئے جس طرح پہلے تھے۔

مجھے اس عجیب و غریب واقعہ پر سخت حیرت ہوئی، حیران تھا کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے؟

آخر اونٹوں کا ایک قافلہ جب ادھر سے گذرا تو میں نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ تم لوگوں کو اس کا علم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو سبب بھی کچھ معلوم ہے؟ قافلہ والوں نے کہا کہ ہاں، مکہ میں ایک ہاشمی نے دعوی کیا ہے کہ تمام دنیا کی طرف خدا نے اسے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ ہر نبی سے معجزات طلب کئے جاتے ہیں مکہ والوں نے اس سے بھی معجزہ کی درخواست کی کہ تم چاند کے اس طرح دو ٹکڑے اڑا دو کہ ایک ٹکڑا مغرب میں اور دوسرا مشرق میں ڈوب جائے اور اس کے بعد اپنی اصلی حالت پر آ جائے۔

اس ہاشمی نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے ایسا ہی کر دکھایا جسے تم نے بھی ہندوستان میں دیکھا، اور مسافروں سے بھی میں یہ سنتا رہا۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا اور اس ہاشمی کی زیارت کا شوق دل میں جوش مرنے لگا، انجام کار میں تجارت کے اسباب لاد کر گھر سے حجاز کو روانہ ہوا، حتیٰ کہ مکہ پہنچا اور لوگوں سے اس ہاشمی کے متعلق دریافت کرتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تک پہنچا اور اجازت حاصل کر کے اندر داخل ہوا، وہ اپنے صحن کے وسط میں بیٹھے ہوئے تھے اور چہرۂ مبارک انوار و برکات سے دمک رہا تھا، خوبیاں ہر ادا سے مترشح ہو رہی تھیں اور جس ہیئت پر میں نے پہلے دیکھا تھا وہ بالکل بدلا ہوا تھا، حتیٰ کہ میں بالکل پہچان نہ سکا، میں نے بڑھ کر سلام کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف غور سے دیکھا اور مسکرائے، یعنی مجھے بالکل پہچان لیا اور فرمایا، وعلیک السلام، آیئے، نزدیک آیئے، ان کے سامنے ایک طبق میں کھجوریں رکھی ہوئی تھیں اور ارد گرد کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، جو ان کی ہر طرح عزت و توقیر کرتے تھے۔

مجھ پر ایک ہیبت طاری ہوگئی تھی حتیٰ کہ بلانے کے بعد بھی میرے پاؤں نہیں اٹھتے تھے، وہ میری اس حالت سے واقف ہو گئے اور فرمایا: ''یا أبانا*، ادن منی و کل، الموا فقة من المروء ة والمنافقة من الزندقة'' (اے بابا مجھ سے قریب ہو جاؤ اور کھاؤ، میل جول مروت میں سے ہے اور منافقت بددینی سے ہے)

اس جملہ کے بعد میں آگے بڑھا اور آپ کے سامنے بیٹھ کر کھانے لگا، مجھے آپ نے اپنے ہاتھ سے کھجوریں دینی شروع کیں، حتیٰ کہ چھ کے قریب آپ کے دست مبارک سے مجھے ملیں، اس کے بعد پھر میری طرف توجہ کے ساتھ دیکھا اور مسکرانے لگے، پھر فرمایا: ''کیا تم مجھے نہیں پہچانتے ہو؟''

میں نے کہا: ''گویا کہ میں ٹھیک طرح سے میں نہیں بتا سکتا''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمہیں یاد نہیں کہ فلاں سال تم نے مجھے اپنے گود میں اٹھا کر نالہ سے پار کیا تھا، جب کہ مجھ میں اور میرے اونٹوں کے درمیان میں نالہ حائل ہو گیا تھا''

اس کے بعد میں نے فوراً بعض علامتوں کے ذریعہ سے پہچان لیا، پہچان کر میں نے کہا: ''بلیٰ یا صبیح الوجه''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو پھر ہاتھ پھیلاؤ، میں نے داہنا ہاتھ بڑھا دیا، آپ نے بھی داہنا ہاتھ پھیلا کر مجھ سے مصافحہ کیا اور فرمایا''

* لسان المیزان میں یہی جملہ اس طرح ہے: ''یا بابا ادن منی وکل، المرافقة من المروءة، والمفارقة من الزندقة'' یعنی ''أبانا'' کی جگہ ''بابا'' ہے، ''الموافقة'' کی جگہ ''المرافقة'' اور ''المنافقة'' کی جگہ ''المفارقة'' ہے۔

''قل اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله ''جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا، میں نے بجنسہ ان ہی لفظوں کو ادا کیا اس پر بہت خوش ہوئے۔

جب میں آپ سے رخصت ہو کر وطن آنے لگا تو آپ نے میرے حق میں پھر دعا کی: ''بارک اللہ فی عمرک، بارک اللہ فی عمرک، بارک اللہ فی عمرک۔

میں آپ کی زیارت اور اسلام دونوں سے مشرف ہو جانے پر خوشی و مسرت کرتا ہوا گھر آیا، خدا نے آپ کی دعا قبول فرمائی کہ فی دعا مجھے سو برس کی عمر عطا کی گئی، کہ چھ دعاؤں کے مقابلہ میں میں دنیا میں چھ سو برس گذار چکا ہوں، بلکہ کچھ دن اور بھی گذر گئے، تم اس بستی میں جتنی آبادی دیکھتے ہو یہ سب الحمدللہ میری اولاد اور میری نسل سے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی خیر و برکت مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے عطا فرمائی۔

داؤد بن اسعد قفال منخروری کا بیان

ابوالحسن علی بن شبیب واسطی کہتے ہیں کہ مجھ سے داؤد بن سعد نے جو ایک صالح اور فقیہ عالم تھے، موضع اسیوط، مصر میں حضرت بابارتن کے متعلق یہ روایت بیان کی:

''سمعت المعمر رتن بن ميدن بن ميدن بن مندى الصراف السندى ، قال : كنت فى بدء أمرى أعبد صنماً ، فرأيت فى منامى قائلاً يقول لى : اطلب لک دينا غير هذا ، فقلت : أين أطلبه ؟ قال : بالشام ، فأتيت الشام فوجدت دين اهلها النصرانية ، فتنصرت مدة، ثم سمعت بالنبى صلى الله عليه و آله وسلم بالمدينة فأتيته فأسلمت على يده ، و دعا لي بطول العمر ، و مسح على رأسى بيده الكريمة ، ثم خرجت معه غزوة اليهود ، و لما عدت استأذنته فى العود الى بلدى لأجل والدتى ، فأذن لي'' (الاصابہ،حرف الراء،ص:۴۴۲)

''میں نے خود بابا رتن بن میدن بن سندن صراف سندھی سے سنا وہ مجھ سے فرماتے تھے کہ میں ابتدائے زمانہ بتوں کی پرستش کرتا تھا لیکن یکا یک میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ سے کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ: ''اے رتن اپنے لئے کوئی دوسرا دین تلاش کر'' بابا رتن کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا کہ میں کہاں تلاش کروں، انھوں نے کہا جاؤ شام کے ملک میں کر ڈھونڈو۔''

جب میں بیدار ہوا تو شام کی طرف روانہ ہوا، میں نے وہاں لوگوں کو دیکھا کہ سب نصاری ہیں آخر میں نے

بھی نصرانیۃ اختیار کی اور ایک زمانہ تک میں نصرانی رہا۔اس کے بعد میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں اور اِن دنوں مدینہ منورہ میں ہیں، یہ سن کر میں مدینہ پہنچا اور آپ کے دست مبارک پر مسلمان ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے درازیٔ عمر کی دعا فرمائی اور میرے سر پر دست شفقت پھیرا اس کے بعد میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ یہود میں شریک ہوا۔ جب جہاد سے واپس ہوا تو میں نے اپنے وطن کی خواہش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر کی اور کہا کہ حضور، وہاں میری ماں اکیلی ہے، آپ نے مجھے اجازت دیدی''۔

عبدالوہاب بن اسماعیل فارسی صوفی کا بیان

اس کے راوی شمس الدین محمد بن ابراہیم الجزری معروف مؤرخ ومحدث ہیں وہ کہتے ہیں کہ:

''مجھ سے عبدالوہاب بن اسماعیل صوفی نے ۷۱۲ھ میں مقام مصر میں بیان کیا کہ میں ۶۷۵ھ میں شیراز میں تھا وہاں ایک نہایت سن رسیدہ آدمی محمود نامی پہنچا اور کہا کہ میں بابارتن کا بیٹا ہوں، میرے والد نے شق القمر کا معجزہ دیکھا تھا اور یہی سبب ان کے مدینہ منورہ جانے کا ہوا میرے والد خندق کے کھودنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے۔ جب وہ ہندوستان سے عرب بغرض زیارت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جانے لگے تو اپنے ساتھ ایک ٹوکرے میں املیاں بھی لے گئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بطور تحفہ کے پیش کیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ تناول بھی فرمایا تھا اور میرے والد کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ ٹھوکی تھی، اور درازی عمر کی دعا فرمادی تھی۔

جس وقت ابا حجاز گئے تھے اس وقت ان کی عمر کل سولہ سال کی تھی، بعد میں چھ سو بتیس سال تک زندہ رہے اور ۶۳۲ھ میں ان کا انتقال ہوا''۔ پھر اسکے بعد انھوں نے کچھ احادیث بیان کی جس کے بارے میں بتایا کہ انھوں نے اس کو اپنے والد سے سنی ہیں، علامہ شمس الدین نے یہ بھی کہا عبدالوہاب صوفی نے ہم سے کہا کہ محمود کی عمر بھی اس وقت ایکسو ستر برس کی تھی۔

اس کے علاوہ اور بھی شہادتیں اور ان کے واقعات الاصابہ میں علامہ ابن حجر نے اور اسی سے مولانا گیلانی نے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں میں بخوف طوالت ان کو چھوڑتا ہوں جن کو تفصیل سے پڑھنا ہو وہ الاصابہ میں اور مولانا گیلانی کی کتاب میں مطالعہ کریں۔

حضرت بابا رتن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر محدثین کے اشکالات

اب ان کے اوپر محدثین نے جو اشکالات کیئے ہیں اور جن حضرات نے سرے سے ہی ان کا انکار کیا ہے اس کا ذکر نا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

اس سلسلہ میں مجدالدین فیروز آبادیؒ، علامہ ذہبیؒ وغیرہ نے بچند وجوہ ان کی صحابیت کا انکار کیا ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے اور انکار کے وجوہات بھی بتائے ہیں، مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اتنے دنوں تک کسی کا زندہ رہنا بعید از قیاس ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ واقعی صحابی ہوتے تو مہدی، منصور، مامون اور ہارون رشید کے پاس ان کی خبر پہنچتی اور یہ لوگ ان کو ہاتھوں ہاتھ لیتے لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ پانچوی صدی تک ان کا کہیں کسی کتاب میں ذکر نہیں ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ بخاری شریف میں ایک صحیح حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حیات مبارکہ (کے دنوں) میں عشاء کی نماز پڑھائی، جب سلام سے فارغ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ:

''**أرأيتكم ليلتكم هذه فان راس مائة سنة منها لا يبقى ممن هوا ليوم على ظهر الارض أحد**'' (کیا تم اس رات کو دیکھتے ہو، اس صدی کے ختم ہونے تک ان لوگوں میں سے کوئی شخص روئے زمین پر باقی نہ رہے گا جو آج کے دن اس پر موجود ہے) (بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ:۵۶۴: باب ذکر العشاء والعتمۃ ومن رآہ واسعاً۔ ۶۰۱: باب السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء۔ ۱۱۶: باب السمر فی العلم) علامہ ذہبیؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''**فانقطع المقال فماذا بعد الحق الا الضلال**''۔ (الاصابہ، حرف الراء، ص:۴۳۸)

علامہ ذہبیؒ ہی کے زمانہ کے ایک مشہور عالم علامہ صفدیؒ ہیں جنھوں نے ذہبیؒ کے خیالات کی تردید کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ذہبی کی پہلی وجہ کہ اتنے دن تک کسی کا زندہ رہنا بعید از عقل ہے، ظاہراً تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن جو اقوام حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کو ساڑھے نو سو برس تسلیم کرتی ہیں وہ رتن کو پانچسو سال کو کس وجہ سے خلاف واقعہ کہہ سکتی ہیں؟ جبکہ صحابہ کرام میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ساڑھے تین سو سال کے قریب مانی جاتی ہے۔

دوسری وجہ کہ مامون اور ہارون کے زمانہ میں اس کی خبر کیوں مشہور نہیں ہوئی یہ قابل سماعت نہیں۔ رتن بھٹنڈہ کے رہنے والے تھے اور مامون یا ہارون اور اس سے پہلے ہندوستان پر اسلامیوں کے حملے سندھ کے قریب ہوتے رہے، اگر رتن کے حالات کی خبر مسلمانوں کو نہ ہوسکی تو کوئی بعید نہیں۔ البتہ محمود بن سبکتگین سے بھی اس قصہ کا

پوشیدہ رہ جانا تعجب خیز ہے ہوسکتا ہے کہ رتن مغلوں کی درندگی اور خونخواری کی وجہ سے قصداً روپوش ہو گئے ہوں، رتن ایک فقیر صوفی تھی ان کو بادشاہوں سے ملنے ملانے کی کوئی تمنا و آرزو نہ تھی، سینکڑوں اولیاء اللہ ایسے گذرے ہیں جن کا تذکرہ کسی تصنیف میں نہیں ہے تو کیا ان کا وجود فرضی ہو جائے گا؟

حدیث کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ بلا شبہ یہ حدیث ہے لیکن اس سے کب یہ لازم آتا ہے جو ذہبیؒ نے سمجھا ہے۔ بہت سے علماء خضر علیہ السلام کو اب تک زندہ مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی وہ زندہ ہوں گے، ان علماء نے جو خضر کے بارے میں جواب دیا ہے وہی ہم بھی دیں گے۔ ترمذی میں ایک روایت ہے جس میں ہے کہ تمیم داری نے دجال کو ایک جزیرہ میں مقید دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم سے آکر بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کو ممبر پر اس کا اعلان کیا اور تمیم کی تصدیق کی۔ ظاہر کہ دجال اب تک زندہ ہے اور خدا جانے کب تک زندہ رہے گا، دجال تو آدمی ہے بلکہ نسلاً یہودی ہے، خضر علیہ السلام بھی آدمی ہے جیسا کہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے نہ کہ فرشتہ۔ پس ذہبی ان باتوں کا کیا جواب دیں گے؟ جو کچھ وہ کہیں ہم رتن کے بارے میں وہی کہہ سکتے ہیں۔

مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں کہ: بہر حال جب کہ اسلامی اصول کے اعتبار سے رتن کا وجود ممکن ہے اور ہندوستان میں اس کی خبر بقول صاحب قاموس متواتر ہے (حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں خود ان سے (علامہ فیروز آبادی) شہر زبید جو یمن کے علاقہ میں ہے جب ملا تو مجھ سے کہتے تھے کہ ''ذہبیؒ نے جو بابا رتن کا انکار کیا ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ جب میں ہندوستان گیا تھا تو بابا رتن کی بستی میں بھی میرا گذر رہوا، ہندوستان میں کثرت سے لوگ بابا رتن کا قصہ نقل کرتے ہیں اور تواتر کے ساتھ ان کے وجود کو ثابت کرتے ہیں''۔) تو ذہبیؒ کے انکار کے کوئی معنی نہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

ماخذ:

۱ قرآن کریم
۲ صحیح بخاری
۳ الاصابہ فی تمییز الصحابہ، علامہ ابن حجر
۴ مظاہر حق شرح مشکوۃ شریف
۵ لسان المیزان: علامہ ابن حجرؒ، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ ۲۰۰۲ء
۶ اسد الغابہ
۷ ایک ہندوستانی صحابی، مولانا مناظر احسن گیلانی
۸ ایک ہندوستانی صحابی (بابا رتن)، سید وحید اشرف، معارف، اگست ۳۷ء
۹ قیس پٹھان، ایک تحقیقی مطالعہ، ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ، افغان ریسرچ سینٹر لاہور، ۲۰۰۷

مصائب کا آسان حل

مجلس شیخ المشائخ امام السلوک مسیح الامت
حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب شروانی نوراللہ مرقدہ

ثواب کے تصور سے تکلیف ختم ہوجاتی ہے

ارشادفرمایا: تکلیف کی جب بات آتی ہے تو وہ صعب (یعنی مشکل) معلوم ہوتی ہے لیکن جب ثواب کا تصور ہوگیا تو وہ تکلیف چلی گئی، مگر مسلمانوں نے ثواب کو معمولی بات سمجھ لیا حالانکہ یہ ثواب ثوب یعنی لباس کی طرح ہے چنانچہ اگر جسم پر ثوب یعنی کپڑا نہ ہو تو نہ معلوم جسم کے کون کون سے عیب ظاہر ہوں گے اور جب ثوب سے عیب چھپتا ہے اور راحت وفرحت حاصل ہوتی ہے اور تکلیف ختم ہوجاتی ہے تو ثواب میں ایک حرف ''الف'' اور زیادہ ہوگیا اور وہ ثوب ''ثواب'' ہوگیا اووزیادت حرف دلالت کرتا ہے زیات معنی پر۔ تو جب ثوب کے اندر یہ بات ہے تو ثواب کے اندر تو بطریق اولیٰ ہوگی۔ یہ میرا عنوان لطیف ہے اور یہ حقیقۃً بھی ہے اس لئے کہ کپڑا بدن کے عیب چھپاتا ہے جیسا کہ اگر سردی ہو اور کپڑا نہ ہو تو تکلیف ہوتی ہے۔

سب سے اچھا لباس تقوی کا لباس ہے

معلوم ہوا کہ ثواب سے جسم کو راحت اور قلب کو فرحت ہوتی ہے، اسی طرح ثواب ہے کہ جس کام کا جب حکم دیا ہے اس پر اسی طرح عمل کرنے پر جو ثواب ملے گا تو اس پر ثواب کا لباس آ گیا جو کہ درحقیقت تقویٰ کا لباس ہے۔ اور اس لباس تقویٰ کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ ''ولباس التقویٰ ذلک خیر'' تو ثواب اور ثوب میں یہ ربط ہوگیا اور یہ ترتیب ہوگئی، فضل الٰہی سے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ثواب معمولی چیز نہیں بلکہ بہت عمدہ چیز ہے، جب مومن کو اس کا تصور ہوجاتا ہے جس کو تصور کہتے ہیں تو اس وقت تعب جاتا رہا اور تاب یعنی چمکاہٹ آ گئی۔ وہ جو تنگی تھی، بے چینی تھی، ثواب کے اس تصور سے اس کے اندر سہولت ہوگئی، بس غذا بھی مل گئی اور دوا بھی مل گئی، جیسے حکیم صاحب نے کہا کہ وہ دوا ایسی اور ایسی ہے، ذرا کھا کر تو دیکھئے کہ کیسی ہے، تو اس کہنے سے آدھا مرض چلا گیا، دوا ہی کے نام سے آسانی ہوگئی، اور جب مریض نے کھائی تو اس کے اندر غذا بھی تھی تو جو مرض کی

تعب ومشقت تھی وہ ختم ہوگئی اور تاب آ گئی۔

حقیقت تقویٰ

تو جیسے اس دوائے جسمانی کا تصور ہے ایسے ہی دوائے روحانی کا تصور ہے، جس کا نام تقویٰ ہے۔ دونوں چیزیں ہوگئیں کہ غلطی سے رک گیا اور صحت کو لے لیا، اور اس کے حکم کے خلاف جو تھا اس کو چھوڑ دیا، تو یہ جامع تقوی ہو گیا کہ محرمات کا ترک ہے اور معروفات کا وجود ہے اور یہی تقویٰ ہے، جیسے شراب کو چھوڑنا اور اس کے خلاف سے رکا ہوا ہونا کہ شراب کے اندر طبیعت چل رہی تھی اس کو چھوڑ دیا اور جو چھوڑنے میں مشقت معلوم ہو رہی تھی اب اس کو اختیار کر لیا تو طبیعت کے اندر ایک نور آ گیا، طبیعت بشاش ہوگئی، فریضہ کو ادا کر لیا اور ہر فریضہ کو ادا کر لینے کے بعد طبیعت کے اندر ایک روشنی آتی ہے، ایک سکون آتا ہے اسی کا نام نور ہے۔

قاریوں کو انتباہ

بعض قاری صاحب بعض حروف کو ایسا پر کر دیتے ہیں کہ صحیح صحیح تلفظ حروف رہتا ہی نہیں، یا آواز موٹی ہوگی، یا حلق موٹا ہوگا، اور بعض دفعہ ایسا قلقلہ کرتے ہیں کہ پڑھتے ہوئے بڑی حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور بعض میں قلقلہ ہی نہیں کرتے، قرأت ہم نے بھی پڑھی تھی، قرأت کی کتابیں عربی میں بھی پڑھیں اور اردو میں بھی پڑھیں اور مشق تو کئی جگہ کی۔ معلوم نہیں کہ ان قاریوں کو موٹا پڑھنے کا شوق ہے یا موٹا پڑھنا ہی سکھایا گیا ہے، یا ان کی آواز ہی کچھ ایسی موٹی ہے۔

دنیا جامع الاضداد ہے

یہ دنیا جامع الاضداد ہے، جہاں میٹھا پیدا کیا، کڑوا بھی پیدا کیا۔ اور جہاں پھیکا پیدا کیا وہاں نمکین بھی پیدا کیا، جہاں اندھیرا کیا وہاں روشنی بھی پیدا کی ہے، جہاں رات پیدا کی ہے وہاں دن بھی پیدا کیا ہے، یہ تکوینیات کے اعتبار سے ہے، ایسے ہی تشریعیات کے اندر بھی تعب بھی ہے اور تاب بھی ہے، شاق بھی ہے اور شوق بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مومنوں کو اپنے احکام پر دائم قائم رکھیں۔

طریقت کیا ہے؟

اور اگر راحت انسانی کسی وقت نہیں بھی ہوئی پھر بھی ایسے مومن بندہ کو جو ایسا پرہیز گار ہے فرحت قلبی ضرور ہوگی۔ صرف زبان سے تو وہ کراہ رہا ہے کہ جسم پر تعب ومشقت ہے، اس کا انکار نہیں، لیکن دل کے

اندر ایک نور آیا ہوا ہے۔ اس بیماری سے جو کفارہ ہو رہا ہے، اور ہر دفعہ کفارہ کا نام کیوں لیتے ہو بحسن ظن ذات باری تعالیٰ درجے بڑھا رہے ہیں، جب ایک گناہ دفع ہوگا تو ایک نیکی بھی آئے گی ''اِنَّ الْحَسَنَات یُذْھِبْنَ السَّیِّئَات'' (بیشک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں) ہاں کسی کفارہ میں اگر وہ کفارہ ہوا بھی ہے تو کفر جا رہا ہے، کفر حقیقی بھی اور کفر خیالی ریائی بھی جا رہا ہے، اور جب وہ جا رہا ہے تو کیا نیکی نہیں آئے گی؟ تو جہاں کفارہ ہو رہا ہے وہاں درجہ بھی آ رہا ہے، مثلاً جہاں درود شریف پڑھی تو اس پڑھنے سے جہاں دس گناہ گئے وہیں دس نیکیاں بھی آئیں گی مگر کفارہ کے تصور سے ذات وجوبی کی طرف انجذاب اور کشش نہیں ہوگی، اور درجے کے تصور سے اپنی حیثیت سے نہیں بلکہ اس ذات کریمی کی حیثیت سے حق تعالیٰ کی طرف انجذاب ہوگا، کشش ہو گی، دل بڑھے گا اور نیکیوں کی طرف طبیعت چلے گی، گناہوں سے بچنے کی توفیقات ہوں گی، اس لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانوں کا مراقبہ زیادہ کرو، اس سے ذات باری تعالیٰ کی طرف انجذاب ہوگا، محبت بڑھے گی اور جوں جوں محبت بڑھے گی احکام پر عمل کرنا آسان ہوگا، مشقت ختم ہو کر شوق بڑھتا چلا جائے گا۔ یہ ہے طریقت۔

اس زمانہ کا مجاہدہ

اور خاص کر اس زمانہ میں کہ طبائع کمزور ہیں، کہاں تم نے موت کا مراقبہ شروع کر دیا، جس کو دیکھا موت کا مراقبہ، دیکھتے ہی نہیں کون شخص ہے، کیسا شخص ہے کیسی طبیعت کا شخص ہے؟ اس زمانہ میں تو اس کے احسانات اور نعمتوں کا مراقبہ کراؤ، ہاں کوئی پلید قسم کے ذہن کا اگر ہو تو چلو خیر، موت کا مراقبہ کر لو۔ معلوم ہوا کو احکام پر عمل کرنے میں شروع شروع میں تو مشقت ہے لیکن جس کے سامنے موت اور موت کے بعد زندگی اور زندگی کے بعد احتساب ہے تو وہ عقبات کے سامنے آ کر ان احکام پر چلنا آسان کر دیتے ہیں، اس لئے برابر چلتے رہو یہاں تک کہ مشقت ختم ہو جائے اور شوق ہونا شروع ہو کر بڑھتا چلا جائے، تو احکام الٰہی سے طبیعت جو منکر ہو رہی تھی اب طبیعت معروف ہو جائے گی اور وہ طبیعت شریعت بن جائے گی، اسی طرح چلتے رہو، اسی کا نام مجاہدہ ہے۔ جان سے زیادہ پیاری تو کوئی چیز نہیں ہوتی، بس اس طرح مجاہدہ کرتے ہوئے اعمال کے لئے جان دیدی یعنی آن چھوڑ دی، اب وہ صحیح معنی میں جہاد کا عمل آئے گا، پھر جان کہاں پیاری ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس فرمان جہاد پر اپنی جان بھی قربان کر دی تھی اس لئے فتح مکہ سے پہلے جو حضرات ایمان لائے ان کا ایمان فتح مکہ کے بعد والے سے افضل ہے، بدریین کا ایمان بعد والوں

سے افضل ہے، اسی وجہ سے صحابہ کے درجات میں تفاوت اور فرق ہے، سب برابر تھوڑا ہی ہیں۔

دنیا کی طرح جنت میں للچاہٹ نہیں ہوگی

دیکھو تو سہی اللہ تعالیٰ کا کرم، یہاں دنیا میں کیا ہوتا ہے؟ کوئی لکھپتی ہے، کوئی کروڑ پتی ہے، محل والا ہے، دوسرے کی طبیعت میں کچھ للچاہٹ سی آجاتی ہے، اور زیادہ کہیں للچاہٹ ہوئی تو طبیعت میں دھکڑ پکڑ ہو گئی، لیکن جنت میں جانے کے بعد للچاہٹ نہیں ''ولکلٍّ درجٰتٌ مما عملوا'' لیکن کسی کے بھی خیال میں نہ آئے گا کہ مجھے اِس درجہ میں اور اُسے اُس درجہ کیوں پہنچا دیا ہے؟ کیونکہ اس میں بھی تعب ہے اور جنت ذرا سی تعب و مشقت اور رنجیدگی کی جگہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے جنت کے اندر جنتیوں کا دل ایسا بنا دیا۔

شیخ مرید کو خبردار رکھتا ہے

اسی طرح شیخ کامل دنیا کے اندر اپنے محبت کرنے والے مرید کا دل بھی ایسا ہی بناتا ہے تاکہ دنیا میں جنت ہو جائے کہ کسی کی دنیاوی بڑھوتری دیکھ کر اس کے منہ میں پانی نہیں آتا، اس کو سکھا دیا کہ حسد کیا جنتیوں کو ہوگا؟ نہیں۔ تو پھر تو طالب آخرت ہے نہ کہ تابع خلق ہے، اور حسد خلق ہے اور سوئے خلق ہے اللہ تعالیٰ سوئے خلق سے محفوظ رکھے پھر یہ حسد کیسا؟ یہ تو ذات باری تعالیٰ پر اعتراض ہے، کیونکہ یہ جو اسکو دیا ہے کس نے دیا ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ حسد تجھ کو کفر تک پہنچا دے جیسا کہ اسی حسد نے شیطان کو کفر تک پہنچا دیا۔ تو شیخ کہتا ہے کہ خبردار، مرید کا دل حسد سے بالکل خالی ہو، تو دیکھو اس عالم کے اندر وہ ہو گیا جنتی۔

فنائے تام کی حقیقت

تو شیخ فضل الٰہی سے خود کو جنت بناتا ہے اور اسی طرح اپنے مریدین اور محبین کو بھی دنیا ہی کے اندر جنت والا بنا دیتا ہے۔ وہ تو اہل اللہ ہے اور جب اہل اللہ ہے تو گویا دنیا کے اندر وہ رہ رہا ہے مگر اس کے لئے یہ عالم بھی جنت ہے۔ اور یہ فضل الٰہی سے ہے نہ کہ اپنی سعی پر نظر ہو، ورنہ تو پھر وہ دوزخی ہے، بلکہ اپنے اوپر سے بالکلیہ نظر انداز ہو جائے اس کو تصوف اور صوفیاء میں فنائے تام کہتے ہیں۔

مدرسین میں آپسی حسد و کینہ کیسا؟

جیسا کہ مدرسین صاحبان میں تقسیم کتب کے وقت ہوتا ہے کہ ہدایہ، بخاری، مسلم کے لئے مرے جا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہدایہ اولین کے لینے کا مستحق تو میں تھا اس کو کیوں دیدی؟ بس ہو گئی جنگ۔ اگرچہ

ظاہر میں جنگ نہیں ہوئی مگر دل میں تو ہو ہی گئی۔ ایسے ہی یوں بھی سوچتے ہیں کہ اس کی تنخواہ تو اتنی بڑھادی حالانکہ کام تو میں زیادہ کرتا ہوں، دیکھو تنگ دلی ہوگئی بیچارے کو۔ ارے تم کو تو تنخواہ کی ضرورت بھی نہیں تھی، تمہارے یہاں تو کارخانے ہیں، تمہارے یہاں تو زمین ہے، تمہاری تو تجارتیں ہیں، اور اصل تو تنخواہ کا نہ ہونا ہی ہے، وہ تو بضرورت تنخواہ کر دی گئی ہے ورنہ دین کے کام کا عوض کیسا؟ مگر بضرورت تاکہ دین کا کام ذرا سہولت سے ہوتا چلا جائے، اور اس وقت تنخواہ ضرور ہونا چاہئے کیونکہ طبیعت میں آزادی ہے، جب تنخواہ نہ ہو گی وقت کی پابندی نہیں کرے گا۔

پہلے اساتذہ کا تقوی

پہلے تو ہوتی تھی پابندی۔ اور ایسا بھی ہوا ہے کہ اگر تنخواہ مہتمم صاحب نے پوری بھیج دی تو اس زمانہ کے اندر جو اوقات پڑھانے سے خالی رہے وہ لکھتے رہے، اور اس میزان کے کل دو دن ہوئے لہٰذا دو دن کی تنخواہ کاٹ کر اور جا کر خزانچی کو دیدی کہ میں نے دو دن نہیں پڑھایا تھا اور تنخواہ میرے پاس پوری پہنچی ہے۔ پہلے تو یہ ہوتا تھا اور اب خود بھی نہیں کہتا، نہ پڑھایا اور نہ مدرسہ گیا، کچھ بھی نہیں بلکہ دو تین مہینے غائب رہا اور پھر مہتمم صاحب نے تنخواہ میرے گھر پہنچا دی تھی، تو معلوم ہو کر یہ بھی نہیں ہوا کہ دو مہینے کی تنخواہ واپس کر دیتا کہ میں نے جب پڑھایا نہیں تو پھر تنخواہ کیوں لوں؟ یہ تو صحیح نہیں ہے۔ یہ سب سنانے کی چیز ہے، ایسے لوگ بھی گذرے ہیں کیسے بتاؤں؟ ایک شخص اپنی ضرورت کی باتیں کرنے کے لئے آیا، استاد صاحب درس گاہ میں جس گدی پر بیٹھے ہوئے تھے اس گدی سے ہٹ گئے، اب وہ بیچارہ کہہ رہا ہے نہیں، حضرت تشریف رکھئے، وہ سمجھا کہ مجھے دیکھ کر ہٹے ہیں، تو اس کو کہہ دیا کہ بھائی دیکھو، وہ گدی مجھے مدرسہ کی طرف سے درس دینے کے لئے ملی ہے اور اب تم سے باتیں کرنا درس دینا نہیں ہے، اسلئے میں نے گدی چھوڑ دی۔ اب اس کو کیسے استعمال کروں؟ میرے لئے جائز نہیں ہے۔ کیا یہ سنانے کی بات نہیں ہے، کچھ تو شرم آئے، کچھ تو غیرت آئے کہ ایسے بھی اللہ کے بندے تھے کہ وقت لکھ رہے ہیں اور پھر تنخواہ پوری پہنچنے کے بعد کاٹ کر واپس کر دی۔ تو یہ تقویٰ کے درجے ہیں۔

صحابہؓ کے زمانہ میں پیدا ہونے کی تمنا نہیں کرنا چاہئے

حضرت والا مجدد الملۃ حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے سنایا تھا کہ مجھے کبھی ایسا خیال ذہن میں نہیں آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میں ہوتے تو ہم بھی صحابی ہوتے کیونکہ ہم کو معلوم ہے جیسے ہم ہیں۔ اگر

اس وقت ہوتے تو یہی جبلت ہوتی، اور جب یہ جبلت ہوتی اور ہم ان آداب کو ادا نہ کر سکتے تو گئے گذرے ہوتے، بس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس وقت میں نہ ہوا بلکہ اب مجھے پیدا کیا۔ وہ تو صحابہ ہی کا حوصلہ تھا کہ جو اس زمانہ کے اندر آداب کو انجام دے گئے، ہمارا حوصلہ معلوم ہے ہی جیسا کچھ ہے، قال اللہ وقال الرسول پڑھتا پڑھاتا ہے لیکن حالت کا اندازہ کر لیجئے اور اسی حالت کے ساتھ ہم بھی ہوتے تو آداب کہاں بجالاتے۔

زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مطلوب نہیں تقویٰ کے ساتھ اتباع سنت مطلوب ہے

جیسا کہ بعض بیچارے، عامی طبقہ کے لوگ کہتے ہیں کہ اجی، کوئی ایسا وظیفہ بتلا دیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھ لوں۔ اور اعمال میں اگر دیکھو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا کوئی لحاظ نہیں ہے، اتباع سنت کا تو کیا ذکر؟ اعمال میں تقوی کا اہتمام نہیں اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا چاہتا ہے۔ ارے، جب حتی الامکان پورے پورے تقویٰ کے ساتھ اتباع سنت کا اہتمام کر رہا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو دیکھ رہے ہو۔ یہ احقر کیا عرض کر رہا ہے؟ جب تقویٰ کے اہتمام کے ساتھ اتباع سنت حتی الوسع اہتمام کے ساتھ کر رہا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہے، خواب میں دیکھنے سے کیا ہوگا، تو تو بیداری میں دیکھ رہا ہے، اسی طرح کر رہا ہے جیسے کہ سامنے موجود ہوں، میں اس طرح کیسے کھاؤں میرا اس طرح سے کھانا حضور پورنور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے طریقہ کے خلاف ہے۔ میں کیسے کھاؤں اس طرح چارزانو آلتی پالتی مارکراور سہارا لگا کر کیوں کھاؤں، یہ تو طریق سنت کے خلاف ہے۔

دعا

اللہ تعالیٰ بصدق، بخلوص، باستقامت، تقوی کے ساتھ اتباع کی توفیق ارزانی سے نوازیں، اتباع سنت کی ہمدم توفیق ہوتی رہے۔　آمین یارب العالمین۔　خدا حافظ

خواتین اسلام جو علم و فضل، ادب و آگہی اور ہدایت و معرفت کا منبع و مرکز تھیں

سیریز (۱۸)

حضرت ام عطیہ الانصاریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ڈاکٹر محمد ضیاالدین مظاہری

آپ کا نام نسیبہ بنت حارث ہے (اعلام النبلاء میں نون کے فتحہ کے ساتھ ''نَسیبہ'' لکھا ہوا ہے جبکہ اعلام النساء لعمر رضا کحالہ میں نون کے ضمہ کے ساتھ ''نُسیبہ'' مرقوم ہے، اور مسند احمد میں بھی نون کے ضمہ ہی کے ساتھ ''نُسَیبَۃ'' لکھا ہوا ہے)، لیکن آپ اپنی کنیت ''ام عطیہ'' سے زیادہ مشہور ہوئیں۔ انصار کے قبیلہ بنی نجار سے آپ کا تعلق ہے۔

سیر اعلام النبلاء میں لکھا ہے کہ: ''من فقهاء الصحابة'' آپ بڑی عالمہ، فاضلہ اور فقیہہ خاتون تھیں۔

حضرت ام عطیہ ان خوش نصیب خواتین میں شامل ہیں جنھوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی درخواست کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان خواتین کی طرف بھیجا کہ ان خواتین سے ان چیزوں پر بیعت کر لیں کہ:

۱ کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔

۲ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔

۳ چوری نہ کریں گی۔

۴ زنا سے بچیں گے۔

۵ کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائیں گی۔

۶ اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی۔

بیعت کے بعد حضرت ام عطیہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ: اچھی باتوں سے انکار نہ کرنے کا مطلب کیا ہے؟ حضرت عمر نے جواب دیا کو: ''نوحہ اور بین نہ کرنا''۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ سعادت حاصل ہے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جب ۸ھ میں انتقال ہوگیا تو ان کو چند عورتوں کے ساتھ مل کر غسل دیا۔

آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت تھی، جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرماتیں تو ''یارسول اللہ، میرے والد آپ پر قربان ہوں'' جیسے الفاظ کا استعمال فرماتیں تھیں۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث روایت کی ہیں۔ اعلام النبلاء میں ہے کہ:

''**لھا عــدة أحادیث**'' . ''**حدیثھا مخرج فی الکتب الستة**'' امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے اپنی اپنی صحاح میں ان کی روایت نقل فرمائی ہیں۔

حضرت ام عطیہ کے فضائل

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی سعادت مند خاتون تھیں، متعدد غزوات میں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں، خود وہ بیان کرتی ہیں کہ:

''**عن ام عطیة قالت: غزوت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم سبع غزوات أداوی المرضی و أقوم علی جراحاتهم واخلفهم فی رحالهم أصنع لهم الطعام**''۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سات غزوات میں شرکت کی، میں مجاہدین کے پیچھے رہتی، ان کا کھانا پکاتی، ان کے زخموں پر دوا پٹی کرتی، اور دیگر بیماروں کے لئے دواؤں کا انتظام کرتی۔

(مسند احمد:۲۷۸۴۳(۲۷۳۰۰)۔ مسلم: کتاب الجہاد والسیر، باب النساء الغازیات:۱۸۱۲)

بخاری اور مسلم میں ہے:

''**عن ام عطیة قالت: بعث الی رسول الله صلی الله علیه وسلم بشاة من الصدقة فبعثت الی عائشة بشیئ منها فلما جاء رسول الله صلی الله علیه وسلم الی عائشة قال: هل عندکم من شئی؟ قالت: لا الا أن نُسیبة بعثت الینا من الشاة التی بعثتم بها الیها، فقال: انها قد بلغت محلها**''۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقہ کے بکری عطا فرمائی، حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کو قبول کیا اور اس میں سے کچھ حصہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں پیش کیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے اور پوچھا: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ: گھر میں اور تو کچھ نہیں لیکن ام عطیہ کو آپ نے جو بکری دی تھی اس کا گوشت انھوں نے بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ تو اس کے حقدار تک پہنچ چکا۔ (ہمارے پاس یہ ہدیہ ہے) (مسند احمد: ۲۷۸۴۴ (۲۷۳۰۱) بخاری: ۱۴۴۶۔ مسلم: ۱۰۷۶۔)

بخاری میں حضرت ام عطیہؓ ہی سے مروی ہے کہ:

''بایعنا النبی صلی الله علیه وسلم ، فقرأ علینا : '' أن لا یشرکن بالله شیئاً'' و نهانا عن النیاحة ، فقبضت امرأة منا یدها ، فقالت : فلانة أسعدتنی ، و أنا أرید أن أجزیها ، فلم یقل شیئاً ، فذهبت ثم رجعت ، فما وفت امرأة الا ام سلیم ، و ام العلاء و ابنة أبی سبرة امرأة معاذ ، أو ابنة أبی سبرة وامرأة معاذ''۔

(ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ''اور تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا'' اور ہمیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا، چنانچہ ہم میں سے ایک عورت نے اپنا ہاتھ روک لیا اور عرض گذار ہوئی کہ فلاں عورت نے نوحہ کرنے میں میری مدد کی تھی اور میں اس کا بدلہ اتارنا چاہتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا۔ وہ چلی گئی اور پھر لوٹ کر آئی۔ یہ باتیں ام سلیم ام العلاء، ابوسبرۃ کی بیٹی اور معاذ کی بیوی کے سوا کسی اور عورت سے پوری طرح نبھائی نہ جاسکیں۔

(بخاری، کتاب الاحکام، باب بیعۃ النساء: ۷۲۱۵۔)

حضرت امّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علم حدیث میں

حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعدد روایات مروی ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والے راویوں میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ، حفصہ بنت سیرین، اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن عطیہ، عبدالملک، ابن عمیر، علی بن الاقمر، ام شراحیل، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دیگر صحابہ

کرام اور تابعین شامل ہیں۔

حضرت ام عطیہؓ کی روایت کردہ احادیث ملاحظہ فرمائیں:

میت کو کافور ملے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینا

عن محمد بن سیرین عن ام عطیة الانصاریة انها قالت : دخل علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم حین تو فیت ابنته فقال : اغسلنها ثلاثاً او خمساًاو اکثر من ذلک ان رأیتن ذلک بماء و سدر، و اجعلن فی الآخرة کافوراً اوشیئاً من کا فور فاذا فرغتن فآذننی . فلما فرغنا آذناه فاعطانا حقوه، فقال : اشعر نها ایاها تعنی: ازاره ''(حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فوت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اسے تین دفعہ یا پانچ دفعہ اگر مناسب سمجھوتو اورزیادہ پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دینا اور آخر میں اس میں کافور یا کافور کا کچھ حصہ ڈالنا، پھر جب فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔ام عطیہ کہتی ہیں کہ جب ہم فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے ازار والی چادر دی اور فرمایا: اس کے بدن کو اس میں لپیٹ دو۔(بخاری:۱۲۵۳۔مسلم:۹۳۹)

عورتوں کے ذاتی مسئلہ کے بارے میں حدیث

عن ام عطیة ، نسیبة بنت الحارث الانصاریة رضی الله تعالیٰ عنها قالت : کنا لانعد الکدرة والصفرة بعد الطهرشیئاً''۔

ام عطیہ نسیبہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ہم طُہر کے بعد مٹیالے اور زرد رنگ کو کچھ نہیں شمار کرتی تھیں۔(ابوداؤد:۳۰۷،نسائی:۳۶۸)

سوگ منانے کے بارے میں حدیث ام عطیہ

عن ام عطیة قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :لا یحد علی میت فوق ثلاث الا المرأة فانها تحد علی زوجها أربعة أشهر و عشرا لا تلبس ثوباً مصبوغاً الا ثوب عصب و لا تکتحل و لا تطیب الا عند أدنی طهرتها نُبذة من قسط و أظفار''۔

(مسند احمد:۲۷۸۴۷(۲۷۳۰۴)۔بخاری:۳۱۳۔:لاتسا کنوا المشرکین ولاتجامعوہم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی میت کا سوگ تین دن سے زیادہ نہیں کیا جائے گا مگر عورت اپنے شوہر کا سوگ چار مہینے دس دن کرے گی، رنگین کپڑا نہ پہنے مگر پٹی باندھنے کا کپڑی اور سرمہ نہ لگائے اور خوشبو نہ لگائے مگر اپنی پاکی کے وقت تھوڑا سا قسط اور اظفار۔

حضرت ام عطیہؓ کا بیعت والی روایت

''ام عطیةقالت: لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة ، جمع نساء الانصار فى بيت ثم بعث اليهن عمر بن الخطاب رضى الله عنه، قام على الباب فسلم، فرددن عليه السلام ، فقال : أنارسولُ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم اليكن، قلنا مرحباً برسول الله ورسول رسول الله . و قال: تبايعن على ان لا تشركن بالله شيئاً ، و لا تزنين، و لا تقتلن أولادكن ، و لا تأتين ببهتان تفترينه بين أيديكن وأرجلكن ، و لا تعصينه فى معروف، قلنا : نعم، فمددنا أيدينا من داخل البيت ، و مد يده من خارج البيت ، ثم قال : اللهم اشهد، و أمرنا بالعيدين أن نخرج العتّق والحيض ، و نهى عن اتباع الجنازة ، و لا جمعة علينا، وسألتها عن قو له : و لا يعصينک فى معروف، قالت: نهينا عن النياحة''

(مسند احمد:۲۱۰۷۸(۲۰۷۹۷)۔ابوداؤد:۱۱۳۹)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک گھر میں جمع فرمایا پھر ان کے پاس عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا، وہ دروازہ پر کھڑے ہوئے اور سلام کیا، عورتوں نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں، عورتوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو خوش آمدید۔ حضرت عمرؓ نے کہا: تم لوگ بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ گی، اور زِنا نہ کروگی، اور اپنی اولاد کو قتل نہ کروگی اور بہتان نہ لگاؤ گی اور نیک کام میں ان کی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کروگی۔ ہم سب عورتوں نے کہا: ہاں اور اپنے ہاتھ گھر کے اندر سے آگے بڑھایا اور انھوں نے اپنا ہاتھ گھر کے باہر سے آگے بڑھایا، پھر کہا: اے اللہ، گواہ رہ، اور ہم کو حکم دیا کہ آزاد یعنی جو باندی نہ ہوں اور بالغ عورتیں عیدین میں نکلیں اور جنازہ کے ساتھ جانے سے منع کیا اور یہ کہ ہمارے اوپر

جمعہ فرض نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ام عطیہ سے ''نیک کام میں نافرمانی نہ کروگی'' کے بارے میں پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ ہم کو نوحہ یعنی میت پر بیان کر کے رونے سے منع کیا گیا۔

وفات

حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاریخ وفات کے سلسلہ میں تاریخ خاموش ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

مراجع:

۱۔ قرآن کریم
۲۔ مسند امام احمد بن حنبل، بیت الافکار الدولیۃ
۳۔ صحیح البخاری، دار السلام للنشر والتوزیع
۴۔ صحیح مسلم، دار السلام للنشر والتوزیع
۵۔ سنن ابی داؤد، دار السلام للنشر والتوزیع
۶۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ اردو، علامہ ابن حجر عسقلانی، مکتبہ رحمانی لاہور
۷۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، مؤرخ ابن اثیر، المیزان، اردو بازار، لاہور
۸۔ اعلام النبلاء للذہبی، بیت الافکار الدولیۃ۔
۹۔ اعلام النساء، عمر رضا کحالہ۔
۱۰۔ سیرۃ ابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار، تحقیق وتعلیق: محمد حمید اللہ۔ معہد الدراسات والأبحاث للتعریب

آسان نماز
اردو زبان میں نماز کے مسائل کی آسان کتاب
قیمت: -/20
از مولانا حافظ سید محمد راشد

تعلیمات سیرت
اردو، ہندی زبان میں سیرت کی آسان کتاب
قیمت: -/60

البلاغت
اردو زبان میں اصول بلاغت کی آسان کتاب
قیمت -/100

تسہیل الاصول
اردو زبان میں اصول فقہ کی آسان کتاب
قیمت: -/200

مرتبہ: مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم
ملنے کا پتہ: مکتبہ الاشرف۔ آزاد نگر، کرامت کی چوکی، کریلی۔ الہ آباد۔ موبائل: 7839216040

ایک عربی مصنف کی کتاب ''استمتع بحیاتک'' کے اردو ترجمہ سے

عدل وانصاف سے کام لیں

پروفیسر محمد عبدالرحمٰن العریفی

''میں آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے تدریس کا شعبہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوب صورت انداز تدریس سے نوازا ہے۔ طلبہ آپ کو بہت چاہتے ہیں، میری خواہش ہے کہ آپ صبح ہمیشہ دیر سے نہ آیا کریں۔''

''تم خوب صورت ہو، گھر بھی صاف ستھرا ہے مجھے معلوم ہے کہ بچے کھیل کود کرتے ہیں، پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ تم ان کے لباس کا پہلے سے زیادہ خیال رکھا کرو۔''

احمد کا لوگوں سے یہی رویہ تھا۔ وہ غلطی کرنے والے کے روشن پہلوؤں کا تذکرہ کرتا، پھر غلطی سے آگاہ کرتا تاکہ عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوں۔

تنقید کرتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ سب سے پہلے غلطی کرنے والے کی خوبیوں کا تذکرہ کریں۔ آپ کے مخاطب کو ہمیشہ یہ احساس ہونا چاہئے کہ آپ کی نظر اس کے روشن پہلوؤں پر ہے اور یہ کہ آپ اسے غلطیوں سے آگاہ کررہے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ آپ کی نظروں سے گر چکا ہے یا آپ اس کی اچھائیاں فراموش کر کے صرف برائیوں کا حساب رکھتے ہیں۔

نہیں بلکہ اسے احساس دلائیے کہ اس کی خامیاں، خوبیوں کے مقابلے میں، آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو بہت محبوب تھے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ آپ کا طرز عمل ان کے عمدہ رویوں پر مشتمل تھا۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی گویا گہری سوچ میں ڈوبے ہیں یا کسی شے کے منتظر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وقت آگیا ہے کہ لوگوں کے درمیان سے علم اُچک لیا جائے گا اور لوگوں کے حافظے میں اس کا کوئی حصہ محفوظ نہیں رہے گا''

یعنی لوگ قرآن اوراس کے تعلیم وتعلم سے منھ پھیرلیں گے،شرعی علوم حاصل کرنے سے کترائیں گے،نہ انہیں علم حاصل کرنے کا شوق ہوگا اور نہ وہ ان کی سمجھ میں آئے گا۔

جلیل القدر صحابی زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور جوش میں آکر کہا: ''اے اللہ کے رسول،علم ہمارے درمیان سے کیوں اُچک لیا جائے گا جبکہ ہم قرآن پڑھ چکے ہیں۔اللہ کی قسم ہم اسے پڑھتے رہیں گے اور اپنے بیوی بچوں کو بھی پڑھائیں گے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نظر اس نوجوان انصاری کو دیکھا جو غیرت دینی سے سرشار تھا،آپ نے اسے فہم کی غلطی سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

''زیاد،تمہاری ماں تمہیں گم پائے،میں تمہارا شمار اہل مدینہ کے فقہاء میں کیا کرتا تھا''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر برسرعام زیاد کی ستائش کی کہ وہ فقہائے مدینہ میں سے ہیں۔یہ زیاد کی زندگی کے روشن صفحات کا تذکرہ تھا،پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہود ونصاریٰ کے پاس تورات وانجیل موجود ہیں،ان کتابوں نے انہیں آخر کیا فائدہ پہنچایا؟''

(جامع الترمذی:۲۶۵۳)

مطلب یہ کہ قرآن کے ہونے سے کیا ہوتا ہے،اصل بات تو اسے پڑھنا،اس کے معانی ومطالب پر غور وفکر کرنا اور اس کے احکامات پر عمل کرنا ہے۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک عرب قبیلے کے پاس سے ہوا۔آپ لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے نکلے تھے۔قبیلے کا نام تھا''بنوعبداللہ'' آپ نے انہیں اللہ کی طرف بلاتے ہوئے کہا:

''اے بنوعبداللہ،اللہ نے تمہارے باپ کو بڑا اچھا نام دیا تھا''(البدایۃ والنہایۃ:۱۳۷/۳)

یعنی تم بنوعبدالعزی یا بنوعبداللات کے بجائے بنوعبداللہ ہو۔

تمہارے نام میں شرک نہیں،اس لئے اس لئے اسلام کی چھاؤں میں آجاؤ۔

اس معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال مہارت کا ایک خوب صورت پہلو یہ بھی تھا کہ آپ لوگوں کو بالواسطہ پیغامات بھیجتے جن میں ان کی خوبیوں اور ان کے لئے خیرخواہی کا ذکر ہوتا۔لوگوں کو یہ بالواسطہ پیغامات پہنچتے تو ان کی تاثیر بعض اوقات براہ راست دعوت سے زیادہ ہوتی۔

خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نہایت جری، بہادر، نڈر اور بے خوف جنگجو تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ خواہش تھی کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ لیکن ایسا کیونکر ہوتا؟ خالد تو مسلمانوں کے خلاف ہر جنگ میں پیش پیش آ رہے تھے۔ احد کے معرکے میں مسلمانوں کی ہزیمت کا بڑا سبب وہی تھا۔

ان کے متعلق ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ اگر ہمارے پاس آ جائیں تو ہم ان کا اکرام کریں گے اور انہیں دوسروں پر ترجیح دیں گے۔ اس چھوٹے سے تعریفی جملے کی تاثیر جاننے کیلئے پورا واقعہ پڑھیے:

خالد بن ولید کا شمار کفار کے قائدین میں ہوتا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے ہمیشہ مواقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ساتھ لے کر عمرے کی غرض سے حدیبیہ روانہ ہوئے تو خالد بن ولید بھی مشرکین کے چند گھڑ سواروں کے ہمراہ نکلے۔ مسلمانوں سے ان کا سامنا عسفان کے مقام پر ہوا۔ خالد نے ان کے قریب ہی پڑاؤ ڈالا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لئے مواقع کی تلاش میں رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ظہر کی نماز پڑھائی تو انھوں نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی موجودگی کا علم ہوا تو آپ نے مسلمانوں کے ساتھ عصر کی نماز صلاۃ الخوف کے طور پر ادا کی، یعنی آپ نے مسلمانوں کو دو دستوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک دستے نے آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی اور دوسرا پہرے پر مامور رہا۔ خالد اور ان کے ساتھیوں نے یہ صورت حال دیکھی تو اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ انھوں نے کہا: ''اس آدمی کی حفاظت کی جا رہی ہے''۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ہمراہ کوچ کیا اور دائیں طرف کا مختلف راستہ اپنایا تا کہ ان کا گذر خالد اور ان کے ساتھیوں کے قریب سے نہ ہو۔ آپ حدیبیہ پہنچے، قریش سے اس شرط پر صلح کا معاہدہ کیا کہ آئندہ سال عمرے کے لئے آئیں گے اور آپ مدینہ لوٹ گئے۔

خالد نے دیکھا کہ عرب میں قریش کی قدر روز بروز گھٹ رہی ہے، انھوں نے سوچا کہ اب کیا باقی رہ گیا ہے۔ اب میں کہاں جاؤں۔ نجاشی کے پاس چلا جاؤں؟ لیکن نہیں، وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار ہو گیا ہے اور محمد کے ساتھی اس کے یہاں سکون سے رہ رہے ہیں۔ یا پھر ہرقل کے ملک چلا جاؤں؟ لیکن نہیں، میں اپنا دین چھوڑ کر یہودیت یا نصرانیت کیوں اپناؤں اور عرب کو خیر باد کہہ کر عجم کیوں جا بسوں؟

خالد اسی شش و پنج میں رہے اور ایک سال گذر گیا، مسلمان عمرہ کرنے مکہ آئے۔ خالد سے یہ منظر نہ دیکھا گیا، وہ مکہ سے نکل گئے اور چار دن تک غائب رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں چار دن قیام کیا اور مناسک عمرہ ادا کئے۔ اس دوران آپ مکہ کے راستوں میں چلتے پھرتے، قدیم گھروں میں آتے جاتے اور پرانی یادیں تازہ کرتے۔ بہادر خالد بن ولید یاد آیا تو ان کے بھائی ولید بن ولید سے مخاطب ہوئے جو مسلمان تھے اور مسلمانوں کی ہمراہی میں عمرہ کرنے آئے تھے۔ آپ نے خالد بن ولید کو بالواسطہ پیغام بھیجنا چاہا جس کے ذریعے سے وہ اسلام کی طرف راغب ہوتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا: ''خالد کہاں ہیں؟''

ولید کیلئے یہ سوال بہت اچانک تھا۔ انھوں نے جواب دیا: ''اے اللہ کے رسول، اللہ انہیں لے آئے گا''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اُن جیسا انسان اسلام سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا۔ انھوں نے اپنی بہادری اور تیزی سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا ہوتا تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر وہ ہمارے پاس آجائیں تو ہم ان کا اکرام کریں گے اور انہیں دوسروں پر ترجیح دیں گے''

(الطبقات الکبری لابن سعد: ۷/۳۹۴)

ولید یہ بات سن کر خوشی خوشی خالد بن ولید کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، لیکن وہ مکہ میں نہ ملے۔

مسلمانوں نے مدینہ کی روانگی کا ارادہ کیا تو ولید بن ولید نے اپنے عزیز بھائی کو خط لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امابعد، میرے لئے اس سے بڑھ کر حیرت انگیز بات کوئی نہیں کہ آپ کا دل ابھی تک اسلام کی طرف مائل نہیں ہوا، حالانکہ آپ اچھے خاصے ذی شعور انسان ہیں اور کوئی عقل مند انسان اسلام جیسی نعمت سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا تھا کہ خالد کہاں ہیں؟ میں نے کہہ دیا کہ اللہ انہیں لے آئے گا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''ان جیسا آدمی بھی اسلام سے بے بہرہ رہ سکتا ہے، اگر انھوں نے اپنی بہادری اور قابلیت سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا ہوتا تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ وہ ہمارے پاس آجائیں تو ہم ان کا اکرام کریں گے اور انہیں دوسروں پر مقدم رکھیں گے''۔

اس لئے اے میرے بھائی، اس موقع سے فائدہ اٹھایئے اور جو بھلائیاں آپ کے حصے میں آنے

سے رہ گئی تھیں انہیں حاصل کر لیجئے''۔

خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں: ''جونہی مجھے ولید کا خط ملا، میں روانگی کے لئے تیار ہو گیا۔ اس خط نے اسلام کے بارے میں میرا شوق بڑھا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے متعلق دریافت کیا، اس سے بھی مجھے خوشی ہوئی، میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ بنجر، بے آباد اور تنگ زمین سے نکل کر کھلی اور سرسبز و شاداب جگہ آ گیا ہوں۔ میں نے سوچا یہ یقیناً سچا خواب ہے۔ پھر جب میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا تو دل میں آیا کہ میرا ہم سفر کون ہو۔ میں صفوان بن امیہ سے ملا اور کہا: ابو وہب، تم دیکھتے نہیں ہماری کیا حالت ہے؟ ''ہم تو داڑھوں کی طرح ہیں جو ایک دوسرے کو پیستی رہتی ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عرب و عجم پر غالب آ چکے ہیں، اگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلیں اور ان کی پیروی کا اقرار کر لیں تو کیسا رہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا شرف ہمارا شرف نہیں؟''

صفوان بن امیہ نے سختی سے انکار کر دیا اور کہا: میری قوم میں میرے سوا اور کوئی باقی نہ رہے تب بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تابعداری کا اقرار نہیں کروں گا''۔

پھر ہم علیحدہ ہو گئے۔ میں نے دل میں کہا: ''یہ آدمی زخم خوردہ ہے۔ اس کا والد اور بھائی معرکہ بدر میں مقتول ہوئے تھے''۔

صفوان کے بعد میں عکرمہ بن ابی جہل سے ملا۔ اس سے بھی وہی بات کہی جو صفوان سے کہیں تھی۔ اس نے بھی مجھے وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ میں نے کہا: ''اچھا تمہاری مرضی۔ لیکن یہ بات راز رکھنا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملنے مدینہ روانہ ہوا ہوں''۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے۔ میں اس کا ذکر کسی سے نہیں کروں گا۔

اس کے بعد میں گھر گیا، سواری تیار کرنے کو کہا اور نکل کھڑا ہوا، راستے میں عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے سوچا: ''یہ میرا دوست ہے، اسے اپنے ارادے سے آگاہ کرتا ہوں، پھر مجھے یاد آیا کہ مسلمانوں سے جنگوں میں اس کے بھی کئی عزیز و اقارب ہلاک ہو چکے ہیں۔ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ ان مقتولین کی یادیں اس کے دل میں تازہ کر دوں''۔

پھر مجھے خیال آیا کہ اگر اسے بتا بھی دوں تو میرا کیا جائے گا۔ میں تو اسی لمحے کوچ کرنے والا ہوں۔ میں نے اس سے قریش کی دگرگوں حالت کا ذکر کیا اور کہا: ''ہم گوہ میں گھس کر بیٹھے لومڑی کی طرح ہیں، جس پر

پانی کا ڈول بہایا جائے تو وہ نکل بھاگے''۔

عثمان بن طلحہ سے میں نے وہ بات بھی کہی جو صفوان اور عکرمہ سے کہہ آیا تھا۔اس نے فوراً آمادگی ظاہر کی اور میری ہمراہی میں مدینہ جانے کا عزم کرلیا۔میں نے اس سے کہا:

''میں آج ہی گھر سے نکلا تھا اور مدینے روانہ ہونا چاہتا تھا، یہ میری سواری بھی تیار ہو کر راستے پر رواں دواں ہے۔''

ہم نے طے کرلیا کہ کل یاجج میں اکٹھے ہوں گے۔وہ مجھ سے پہلے وہاں پہنچ جائے تو میرا انتظار کرے گا اور میں اس سے پہلے پہنچ جاؤں تو اس کا انتظار کروں گا۔

میں اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں قریش کو ہماری روانگی کا علم نہ ہو جائے، سحری کے وقت گھر سے نکلا۔ پو پھوٹنے سے پہلے ہم یاجج میں اکٹھے بیٹھے تھے۔ہم نے فوراً سفر کا آغاز کر دیا اور ہدّہ پہنچ گئے۔وہاں ہمیں عمرو بن العاص ملے، وہ اونٹ پر سوار تھے، انھوں نے ہمیں دیکھ کر کہا:

''قوم کو مرحبا، کہاں کا ارادہ ہے؟''

ہم نے الٹا سوال کر دیا:''آپ کدھر جا رہے ہیں؟''

انھوں نے ہمارا سوال نظر انداز کرتے ہوئے، پھر سوال داغ دیا:''اور آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟''

''اسلام قبول کرنے جا رہے ہیں''ہم نے جواب دیا۔ انھوں نے خوش ہو کر کہا:''یہی ارادہ میرا بھی ہے۔''

اب ہم تینوں نے اکٹھے سفر شروع کیا اور مدینہ میں داخل ہو کر سواریاں حرہ کے باہر بٹھا دیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری آمد کی اطلاع دی گئی تو آپ بہت خوش ہوئے۔میں نے خوشنما لباس زیب تن کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آیا۔راستے میں بھائی ولید سے ملاقات ہوئی۔اس نے کہا:''جلدی کیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے متعلق بتایا گیا ہے، وہ آپ کی آمد سے بہت خوش ہیں اور انتظار کر رہے ہیں۔

ہم جلدی چلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے مجھ کو دور سے آتے دیکھا تو مسکرائے اور میرے قریب آنے تک مسکراتے رہے، میں نے آپ کو سلام نبوت پیش کیا، آپ نے کشادہ روئی سے سلام کا جواب دیا۔

میں نے کہا:''میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں''۔

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے آپ کو ہدایت دی۔ میں نے آپ میں شعور کی روشنی دیکھی تھی۔ مجھے امید تھی کہ یہ روشنی آپ کو خیر ہی کی طرف لے جائے گی''۔(الطبقات الکبری لابن سعد: ۳۹۴/۷،۳۹۵)

میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول، میں آپ کے خلاف جنگیں لڑتا رہا اور جانتے بوجھتے حق کی مخالفت کرتا رہا۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ میرے گناہ بخش دے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' **الاسلام یجب ما کان قبله** ''(اسلام پچھلے گناہ مٹادیتا ہے)

(مسند احمد: ۱۹۹/۴)

میں نے کہا: ''یارسول اللہ، اسکے باوجود، میرے لئے بخشش کی دعا کیجئے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: ''اے اللہ، خالد بن ولید کو معاف کردے''۔(الطبقات الکبری لابن سعد: ۳۹۵/۷)

اس کے بعد سے خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کی ممتاز شخصیات میں شمار کئے گئے۔

ان کے اسلام کی وجہ بالواسطہ پیغام بنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں ملا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوبِ زندگی کیسا عمدہ اور حکمت بھرا تھا۔ ہمیں بھی لوگوں پر اثر انداز ہونے کے لئے یہی مہارتیں استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ آس پاس کے لوگوں سے حسن ظن رکھتے ہوئے ان کی اچھائیاں تلاش کیجئے جن میں ان کی برائیاں گم ہوجائیں۔ لوگوں کی آپ کی مصنف مزاجی کا احساس ہوا اور وہ آپ سے محبت کرنے لگیں گے۔

ایک نظر

جب لوگوں کو یقین ہوجائے گا کہ ہم ان کی اچھائیاں بھی اسی طرح یاد رکھتے ہیں جیسے ان کی برائیاں نوٹ کرتے ہیں تو وہ ہماری ہدایت پر عمل کریں گے۔

فقہی مسائل

نماز کے مسائل ـــــ سجدہ سہو کا بیان ۳

مسئلہ : اگر چار رکعت نماز پڑھی اور بیچ میں بیٹھنا بھول گیا تو جب تک تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تب تک یاد آنے پر بیٹھ جانا چاہئے، اگر سجدہ کر لیا تو خیر تب بھی نماز ہوئی اور سجدہ سہو ان دونوں صورتوں میں واجب ہے۔

مسئلہ : اگر نماز میں شک ہو گیا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اگر یہ شک اتفاق سے ہو گیا ہے ایسا شبہ پڑنے کی اس کی عادت نہیں ہے تو پھر سے نماز پڑھے اور اگر شک کرنے کی عادت ہے اور اکثر ایسا شبہ پڑ جاتا ہے تو دل میں سوچ کر دیکھے کہ دل زیادہ کدھر جاتا ہے، اگر زیادہ گمان تین رکعت پڑھنے کا ہو تو ایک اور پڑھ لے اور سجدہ سہو واجب نہیں ہے، اور اگر زیادہ گمان یہی ہے کہ میں نے چار رکعتیں پڑھ لی ہیں تو اور رکعت نہ پڑھے اور سجدہ سہو بھی نہ کرے اور اگر سوچنے کے بعد بھی دونوں طرف برابر خیال رہے، نہ تین رکعت کی طرف زیادہ گمان جاتا ہے اور نہ چار کی طرف تو تین ہی رکعت سمجھے اور ایک رکعت اور پڑھ لے، لیکن اس صورت میں تیسری رکعت پر بھی بیٹھ کر التحیات پڑھے تب کھڑا ہو کے چوتھی رکعت پڑھے اور سجدۂ سہو بھی کرے۔

مسئلہ : اگر یہ شک ہوا کہ یہ پہلی رکعت ہے یا دوسری رکعت تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر اتفاق سے یہ شک پڑا ہو تو پھر سے پڑھے اور اگر اکثر شک پڑ جاتا ہو تو جدھر زیادہ گمان جائے اس کو اختیار کرے اور اگر دونوں طرف برابر گمان رہے کسی طرف زیادہ نہ ہو تو ایک ہی سمجھے لیکن اس پہلی رکعت پر بیٹھ کر التحیات پڑھے کہ شاید یہ دوسری رکعت ہو اور دوسری رکعت پڑھ کے پھر بیٹھے اور اس میں الحمد کے ساتھ سورت بھی ملائے پھر تیسری رکعت پڑھ کر بھی بیٹھے کہ شاید یہی چوتھی ہو پھر چوتھی رکعت پڑھے اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے۔

مسئلہ : اگر یہ شک ہوا کہ دوسری رکعت ہے یا تیسری تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر دونوں شک برابر درجہ کے ہوں تو دوسری رکعت پر بیٹھ کر تیسری رکعت پڑھے اور پھر بیٹھ کر التحیات پڑھے کہ شاید یہی چوتھی ہو پھر چوتھی پڑھے اور سجد سہو کر کے سلام پھیرے۔

مسئلہ: اگر نماز پڑھنے کے بعد یہ شک ہوا کہ نہ معلوم تین رکعتیں پڑھیں یا چار پڑھیں تو اس شک کا کچھ اعتبار نہیں، نماز ہو گئی۔ البتہ اگر ٹھیک یاد آ جائے کہ تین ہی ہوئیں تو پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لے اور سجدہ سہو کر لے اور اگر پڑھ کر بول پڑا ہو یا اور کوئی ایسی بات کی جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو پھر سے پڑھے، اسی طرح اگر التحیات پڑھ چکنے کے بعد یہ شک ہوا تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ جب تک ٹھیک یاد نہ آئے اس کا کچھ اعتبار نہ کرے، لیکن اگر کوئی احتیاط کی راہ سے نماز پھر سے پڑھ لے تو اچھا ہے کہ دل کی کھٹک نکل جائے اور شبہ باقی نہ رہے۔

مسئلہ: اگر نماز میں کئی باتیں ایسی ہو گئیں جن سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے تو ایک ہی سجدہ سب کی طرف سے ہو جائے گا ایک نماز میں دو دفعہ سجدہ سہو نہیں کیا جاتا۔ (بہشتی زیور بتغییر یسیر)

Quarterly

RNI TITLE CODE : UPBIL04930

AL KASH SHAAF

Research Journal

Allahabad

Voulume : 6 *Issue No. : 3*
July to September 2022

اردو زبان میں عام فہم اور آسان ترجمہ و تفسیر

تفسیر تبیان القرآن

از مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

ہدیہ نٹ : -/600

شریعت وتصوف

از فاضات شیخ المشائخ

حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خانصاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق و تعلیق : ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری

قیمت: -/200
Vol. -1

قیمت: -/150
Vol. -2

Vol. -1

Vol. -2

ملنے کا پتہ: مکتبہ الاشرف 9,1/2,1 آزاد نگر، کرامت کی چوکی، کریلی الہ آباد Mb.7839216040

Editor: Dr. Mohammad Ziauddin

FLAHUL IBAAD TRUST

Printed & Published by Dr. Mohammad Ziauddin on behalf of Flahul Ibaad Trust Allahabad 211016 through Jai Printers Allahabad.